

خطباتِ پیر

جلد سوم

- ① ایمان تقویٰ
- ② صدق کی حقیقت
- ③ تقویٰ کے حصول کا طریقہ
- ④ محبت حق کی علامت
- ⑤ فضیلت ذکر
- ⑥ فوائد ذکر
- ⑦ محبت رسول ﷺ
- ⑧ حضور ﷺ کے حقوق
- ⑨ حقوق مصطفیٰ ﷺ
- ⑩ آداب صلوٰۃ و سلام
- ⑪ اتباع سنت
- ⑫ مغفرت اتباع سنت میں ہے
- ⑬ اعمال صالحہ میں حیات ہے

حضرت مولانا مفتی

محمود حسن

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ تالیفات شریفی ملتان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

www.ahlehaq.org

خطبات محمود
جلد سوم

www.ahlehaq.org

خطبات محمود

جلد سوم

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی

خلیفہ ارشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

محمد اسحاق ملتانی

ناشر

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

41501-5405T3

میرمن پورہ گیت منارہ

از

جدید ترتیب

محمد اسحاق عفی عنہ
خطبات محمود جلد سوم
سلامت اقبال پرنٹنگ پریس چوک فوارہ ملتان

باہتمام
نام کتاب
طباعت



ملنے کے پتے

طیب اکیڈمی
میر ون بوٹر گیٹ ملتان

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
اسلامی کتب خانہ ایم بیٹ آباد
مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیر بازار پشاور
صدیقی ٹرسٹ بسیلہ چوک کراچی
کتب خانہ فاروقیہ حنیفہ گجرانوالہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ
میر ون بوٹر گیٹ ملتان

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ العارفی جامعہ امدادیہ فیصل آباد
کشمیر بک ڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد
دارالاشاعت اردو بازار کراچی
اسلامی کتب خانہ نیوٹاؤن کراچی

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض نامہ

تبلیغ دین میں خطبات کی اہمیت و افادیت ایسی مسلم ہے کہ کوئی بھی صاحب بصیرت اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء و مبلغین نے ہر دور میں اس سلسلہ خطبات کو جاری رکھا اور ہزاروں تشنگان ہدایت کو صراط مستقیم دکھایا

خطبات محمود کی تیسری جلد اس وقت حاضر خدمت ہے۔ حضرت موصوف کی شخصیت محتاج تعارف نہیں حضرت مفتی صاحب کے اس سے قبل فتاویٰ جات 18 جلدوں میں چھپ کر کافی مقبول ہو چکے ہیں۔ حضرت کے یہی خطبات ہندوستان میں "مواعظ فقیہ الامت" کے نام سے قسط وار طبع ہوتے رہے۔ جن کی مقبولیت کے پیش نظر اب ادارہ نے انہیں ترتیب دے کر اولاً پہلی جلد شائع کی جو کہ الحمد للہ کافی مقبول ہوئی۔ امید قوی ہے کہ یہ تیسری جلد بھی لوگوں کی دلچسپی اور رہنمائی کا سبب بنے گی۔ اللہ پاک ہماری اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

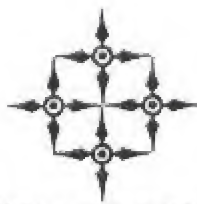
والسلام

احقر محمد اسحق عفی عنہ

عشرہ اخیرہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

فہرست
خطبات محمود
جلد ۳

صفحہ نمبر	عنوانات
۲	ایمان تقویٰ
۷	صدق کی حقیقت
۲۹	تقویٰ کے حصول کا طریقہ
۴۹	محبت حق کی علامت
۷۱	فضیلت ذکر
۸۹	فوائد ذکر
۱۱۳	محبت رسول ﷺ
۱۳۹	حضور ﷺ کے حقوق
۱۶۱	حقوق مصطفیٰ ﷺ
۱۷۳	آداب صلوٰۃ و سلام
۱۸۷	اتباع سنت
۲۰۱	مغفرت اتباع سنت میں ہے
۲۳۷	اعمال صالحہ میں حیات ہے



www.ahlehaq.org

ایمان، تقویٰ، صدق کی حقیقت

اور

ان کے حصول کا طریقہ

www.ahlehaq.org

بِسْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ مسنونہ کے بعد یٰٰہِیْمَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنِ۔ یہ بہت مختصر چھوٹی سی آیت ہے قرآن کریم کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں ۱۔ ایمان ۲۔ تقویٰ ۳۔ صدق۔ ایمان کسے کہتے ہیں ایمان کے معنی ہیں مان لینا، تسلیم کر لینا۔ خالی جان لینا نہیں۔ اگر ایک شخص جانتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے تو وہ مومن نہیں۔ قرآن کریم میں ہے الَّذِیْنَ اٰتٰیْنَاھُمْ الْکِتٰبَ یَعْرِضُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِضُوْنَ اٰبْنَآءَھُمْ۔ اہل کتاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے اور ایسا پہچانتے تھے جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہوں کہ ہاں یہ ہمارا بیٹا ہے اس کے اندر کوئی شک و شبہ نہیں کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی پورا یقین تھا۔ جانتے تھے کہ یہ خدا کے رسول ہیں، کتابوں میں علامتیں لکھی ہوئی تھیں۔ ان علامتوں کو دیکھ کر پہچانتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابت رحمہ روایت کرتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا۔ مغرب کے

بعد ایک یہودی یا نصرانی نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا ہذا کو کب محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ ہے آج چمکا ہے، آج پیدائش کا دن ہے ان کی، آج پیدا ہونے والے ہیں۔ یہاں تک پہچانتے تھے۔ کتابوں میں جو علامات لکھی ہوئی تھیں ان کے ذریعے سے خوب پہچانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ آپ کو گود میں لے ہوئے تھیں، ایک جگہ پر ایک یہودی اہلبیٹھا تھا، اس کے پاس اس کے کچھ معتقدین تھے اس کی مجلس میں، یہ بھی جا کر بیٹھ گئی دیکھنے کے لئے دایہ، اس کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر پڑی۔ آپ کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے تھے، اس نے پوچھا دایہ سے کہ اس بچے کی آنکھوں میں آئینہ ہے، دیکھنے آ رہی ہے یا اس میں یہ سُرخ رہتی ہے۔ دایہ نے بتایا کہ یہ ہمیشہ رہتی ہے، اس پر اس نے جھپٹا مارا جیسے بلی جھپٹا مارا کرتی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ پاک نے حفاظت فرمائی اور وہ بچا کر لے آئی۔ وہ بھی جانتا پہچانتا تھا صورت مبارک دیکھ کر کہ نبی آخر الزماں ہیں۔ یہاں تک کہ ایک یہودی نے مدینہ طیبہ میں آکر ایک مکان خریدا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے، ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائیں گے اور اس مکان میں قیام کریں گے۔ اس لئے میں سب سے پہلے ان پر ایمان لاؤنگا اور اپنا مہمان بناؤں گا۔ اس نیت سے اس نے مکان خریدا اور وہاں رہا، لیکن اس کے مقدّر میں وہ چیز نہیں تھی، پھر وہ مکان بکے بعد دیگرے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے پاس آگیا اور یہ دولت ان کو عطا ہوئی تو جانے تھے وہ لوگ، بعض لوگ تو ارادہ بھی رکھتے تھے کہ ہم ایمان لائیں گے اور بعض لوگ شروع ہی سے مخالف تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلنے کے باوجود۔ اس لئے کہ ایمان خالی جانے کا نام نہیں۔ ایک عیسائی گارڈ فری ہنس نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سچی

اور اعلیٰ اخلاق کی بدولت بہت جلدی عرب پر چھل گئے، ان کی پاکیزہ تعلیم ایسی تھی جو اس کو قبول کرتا، جو اُن کی صحبت میں بیٹھتا وہ اعلیٰ درجے کا پختہ مومن ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اس جاننے کے باوجود، لکھنے کے باوجود صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، لہذا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ جاننے کے بعد اس کا ماننا بھی ضروری ہے۔ جاننے کا تو حال یہ ہے کہ امیہ ایک بڑا زبردست مشرک شخص تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، مدینہ طیبہ سے سفر کر کے مکہ مکرمہ میں گئے وہاں امیہ سے ان کے تعلقات تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں امیہ کے پاس ٹھہرا کرتے تھے اور امیہ مدینہ طیبہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں امیہ کے پاس جا کر ٹھہرے، انھوں نے کہا کہ بھائی دیکھ لینا کوئی فرصت کا وقت ہو تو میں طواف کروں گا بیت اللہ شریف کا۔ اچھی بات ہے۔ ذرا دن چڑھے اس نے بتایا موقع ہے طواف کرنے کے لئے، آئے، ابو جہل نے دیکھا، دیکھ کر پوچھا آہستہ سے یہ کون ہے تمہارے ساتھ، اس نے بتلایا کہ سعد ہیں، تب اس نے کہا کہ تم نے ایسے لوگوں کو اپنے گھر میں پناہ دی جو ہمارے یہاں سے چلے گئے، ہمارے باغی یعنی بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اولین۔ تم نے ان کو پناہ دی اور بڑی عافیت اور امن کے ساتھ یہاں طواف کر رہے ہو۔ انھوں نے ڈانٹ کے جواب دیا کہ دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو جو تیرا راستہ مکہ مکرمہ سے ملک شام جانے کا ہے میں مدینہ طیبہ کی طرف سے وہ راستہ روک دوں گا۔ تمہارے قافلوں کی آمد و رفت سب بند ہو جائے گی، ڈانٹ کر زور سے کہا۔ امیہ نے کہا ان سے زور سے مت بول، یہ یہاں کا سردار ہے، انھوں نے اسی کو ڈانٹ دیا کہ ہٹ، میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ امیہ کو قتل

کریں گے۔ اب یہ سُننا تھا کہ اُمیہ نے پوچھا کہ کہاں قتل کریں گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں بتایا کہ کہاں قتل کریں گے۔ اسی وقت سے اس کے دل کے اندر ہیبت بیٹھ گئی تھی، باوجودیکہ مخالف تھا، مشرک تھا اور کافر تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی جی کے اندر بغیر اختیار کے اثر کرتی تھی وہ جی کے اندر بیٹھ گئی اور اگر اپنی بیوی سے یہ واقعہ سُنایا اور یہ سوچا کہ میں مکہ سے باہر ہی نہیں نکلوں گا مگر وہ بات پوری ہو کر رہی، غزوہ بدر میں وہ قتل ہوا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہ آپ بنی احرارِ زمان ہیں، غیر اختیاری طور پر دل کے اندر آ جانا اور چیز ہے اور ایمان دوسری چیز ہے۔ ایمان اس کا نام نہیں کہ غیر اختیاری طور پر دل میں آجائے بلکہ ایمان تو اختیاری چیز ہے۔ حکم کیا گیا ہے اٰمنوا، ایمان لاؤ یہ جو ایمان لانے کا حکم ہے، حکم ہمیشہ اختیاری چیز کا ہوتا ہے غیر اختیاری چیز کا نہیں، لہذا ایمان کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر اختیاری طور سے دل کے اندر ایک بات آجائے، بلکہ ایمان کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔ یہ طے کر لینا، یہ فیصلہ کر لینا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ جو احکام آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے ماتحت رہ کر مجھے زندگی گزارنی ہے، اس فیصلے کا نام ایمان ہے۔ یا ایہا الذین اٰمنوا، اے ایمان والو! یعنی جو لوگ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم کو اپنی زندگی حضرت بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت گزارنی ہے، نہ جی چاہی زندگی گزارنی ہے، نہ سوسائٹی، رسم و رواج کی زندگی گزارنی ہے، نہ ملک کی زندگی گزارنی ہے، بلکہ زندگی گزارنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت، جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو گا اس کے موافق گزارنی ہے۔ یہ ہے ایمان۔ اگر کسی ملک میں کوئی پارٹی رہتی ہے جو سیاسی حیثیت سے وہاں کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتی، حکومت نے اس کو باغی قرار دے رکھا ہے۔ اس سے اگر پوچھا جائے پارٹی سے

کہ حکومت کس کی، تو وہ بھی وہی بتلائے گی جس کی حکومت ہے، جس کو وہ جانتی ہے، جس کے قانون بھی نافذ ہیں۔ اور یہ بھی جانتی ہے کہ اگر ہم اس کی مخالفت کریں گے تو ہمیں گرفتار کرے گی، جیل بھیج دے گی، سزائیں دے گی، لیکن اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ہم اس حکومت کے ماتحت زندگی گزارنا چاہتے ہیں لہذا وہ باغی کہلائے گی، اسی طریقے پر جو شخص جانتا ہے لیکن یہ فیصلہ نہ کرے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق زندگی گزارنی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چلنا ہے، اپنی ساری زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ پر چلانا ہے۔ جو شخص اس کا فیصلہ نہ کرے اس کے متعلق کیسے کہا جائے کہ وہ مومن ہے۔ لہذا ایمان کے معنی فیصلہ کر لینے کے اور طے کر لینے کے ہیں، جیسے کہتے ہیں کہ قانون تسلیم کر لیا کہ ہم فلاں قانون پر عمل کریں گے، یہ قانون کو تسلیم کر لینا اور رضا مند ہو کر اس کے ماتحت زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لینا، یہ ہے ایمان، چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایمان کی دعوت دی ہے، اور ایمان کے مظاہرے بہت بہت مواقع پر پیش آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور صحابہ کرام کو بھی، اگر خالی زبان سے کہہ دینا ہی ایمان ہوتا تو معاملہ بہت آسان تھا۔ ایک شخص زبان سے تو اقرار کرتا ہے لیکن دل کے اندر یہ فیصلہ کئے ہوئے نہیں ہے تو ایسے شخص کو مومن نہیں کہیں گے بلکہ منافق کہیں گے۔ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَدِيعُهُمْ کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، اللہ کا نام تو لیتے ہیں اور زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں لیکن دل کے اندر موجود نہیں یَخْتَوْنُ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں یُضَوِّبُوكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ زَبَانَ سَے تم کو راضی کرتے ہیں لیکن دل ان کے انکار کرتے ہیں اس کا نام ایمان نہیں، اس کا نام تو نفاق ہے اور منافق کا انجام کیا ہے خود قرآن کریم نے بیان کیا۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرَجَةِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ جہنم کا جو سب سے نیچے کا

طبقہ ہے منافقین کے لئے وہ ہے۔ اس لئے میرے محترم دوستو اور بزرگو! ذرا، کم کو بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، ہمارا ایمان کس حیثیت کا ہے، آیا وہی ہے جس کا مطالبہ ہم سے کیا جا رہا ہے، یعنی یہ فیصلہ کر لینا کہ ہم اپنی پوری زندگی، زندگی کا ہر ہر گوشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت گذاریں گے۔ اگر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے اگرچہ اس کے بعد کوتاہی بھی ہوتی رہے، خطا، قصور بھی آدمی کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ ہوتا رہے لیکن فیصلہ یہی ہے کہ خطا کو خطا سمجھ اور اس سے تائب ہو، معافی مانگے، ارادہ کرے کہ آئندہ خطا نہیں کروں گا اور طے کر لے کہ چلنا اسی راستے پر ہے، فیصلہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق زندگی گذارنی ہے، یہ ہے ایمان، ایسے لوگوں کو خطاب ہے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اے ایمان والو! یعنی ایسے لوگ جو فیصلہ کر چکے، جو لوگ طے کر چکے کہ ہم اللہ کے حکم کی اطاعت کریں گے، اللہ کے حکم کے ماتحت زندگی گذاریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین پر عمل کریں گے، جو لوگ یہ فیصلہ کر چکے ہیں وہ گویا کہ اپنائیت میں آچکے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہو گئے، ان کو خطاب ہے، کیا خطاب ہے **"اتَّقُوا اللَّهَ"** اب جب یہ فیصلہ کر لیا تو اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ سے ڈرو، درحقیقت جو تقویٰ کی تعلیم ہے یہ درحقیقت ایمان کی پختگی اور کمال کے لئے ہے، نفس ایمان تو حاصل ہے، لیکن یہ ایمان کامل کیسے ہوگا، ایمان پختہ کیسے ہوگا، ایمان پر ثبات قدمی کیسے حاصل ہوگی **"اتَّقُوا اللَّهَ"** ہر ایسی چیز سے ڈرتے رہو جو اللہ کو ناخوش کرنے والی ہو، اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے، بچتے رہو تب ایمان پختہ رہے گا۔ اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا تو ایمان کمزور ہوتا چلا جائے گا، کمزور ہوتے ہوتے مضمحل ہو جائے گا، اس کے اندر کوئی توجہ نہیں رہے گی۔ اس واسطے حکم ہے **"اتَّقُوا اللَّهَ"** اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کے کیا معنی؟ ڈرنے کے، دھیان کے اس خیال اور فکر کے کہ اللہ تعالیٰ ناخوش نہ ہو جائیں، جو کام کرو

یہ سوچتے ہوئے کرو کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی کا تو نہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش تو نہیں ہوں گے، اس چیز کو کہتے ہیں تقویٰ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدَنٌ وَمَعْدَنُ التَّقْوَىٰ قُلُوبُ الْعَارِفِينَ۔ تقویٰ ملے گا کہاں سے، یہ کسی دوکان پر بکتا ہے کہ وہاں سے خرید لائیں۔ کتاب دیکھنے سے حاصل ہو گا، کس چیز سے حاصل ہو گا، اس کو بتلاتے ہیں ”لکل شیء معدن“ ہر شئی کے لئے ایک کان ہوتا ہے جیسے چاندی کی کان ہے، سونے کی کان ہے، ہیرے جواہرات کی کان ہے، تو تقویٰ کی بھی ایک کان ہے، تقویٰ کی کان کیا ہے، عارفین کے قلوب، عارفین کے قلوب کے اندر تقویٰ ہے وہاں سے حاصل ہو گا، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا التقویٰ ہهنا۔ قلب کے اندر ایک کیفیت ہے جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ دیکھو جو کام کر دے سوچ کر کے کر دو کہ کہیں محبوب حقیقی کو ناخوشی نہ ہو، وہ ناراض نہ ہو جائے یہ سوچ لگ جانا، یہ فکر لگ جانا، یہی تقویٰ ہے، جس قدر یہ فکر غالب ہو گا اسی قدر آدمی معاصی سے بچے گا، خداوند تعالیٰ کی ناراضیاں سے محفوظ رہے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تلاش کر کے ان پر عمل کرے گا، اور جو چیزیں ایسی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادی ہیں ان سے پورا بھٹنا اور پرہیز کرے گا، اگر یہ چیز حاصل ہو گئی اور ایمان کے مشبوط اور بختہ اور قائم ہونے کی صورت بھی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے تب ایمان پختہ ہوتا ہے اور تقویٰ کہاں سے حاصل ہو گا اس کی تدبیر بتائی کہ ”کو نوا مع الصادقین“ سچوں کے ساتھ میں ہو جاؤ گے، سچوں کے ساتھ میں رہو گے تو ان کا اثر تمہارے اوپر پڑے گا، تقویٰ آئے گا، صحبت کا اثر تو بھائی ہوتا ہی ہے، کہ ہیٹر (Heater) کے پاس آدمی بیٹھتا ہے تو اس کا بدن بھی گرم ہوتا ہے

کپڑا بھی گرم ہوتا ہے، اسی کی صحبت کا تو اثر ہے، اگر برف کے پاس آدمی بیٹھے گا تو بدن بھی ٹھنڈا ہوگا، کپڑا بھی ٹھنڈا ہوگا یہ اس کی صحبت کا اثر ہے۔ ہر چیز کی صحبت کا اثر ہوتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تاثیرات کو بیان فرمایا کہ جو آدمی اونٹوں میں رہتے ہیں ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے، ان کے اندر حسد اور کینہ بہت ہوتا ہے، جو لوگ گھوڑے پالتے ہیں، گھوڑوں میں رہتے ہیں، ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے، ان کے اندر فخر اور بڑائی زیادہ ہوتی ہے۔ جو لوگ بیلوں میں زیادہ رہتے ہیں ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے، وہ گالی زیادہ دیتے ہیں، اسی لئے سر جانوروں کی صحبت کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اثرات کو بیان فرمایا، لیکن مقصد یہ نہیں کہ ضرورت پڑنے پر بھی اونٹ نہ پالیں، ضرورت پڑنے پر بھی گھوڑا نہ پالیں، ضرورت پڑنے پر بھی بیل نہ پالیں، یا ان کی خبر گیری نہ کریں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی تاثیرات سے بچتے رہنے کی ضرورت ہے، حفاظت کی ضرورت ہے، جیسے آگ سے زیادہ قریب نہ ہو آدمی، بدن جل جائے رگ، کپڑے جل جائیں گے۔ ہاں اتنی دور رہے کہ جس سے اس کی گرمی سے فائدہ حاصل ہو سکے، اسی طریقے سے ان چیزوں میں ایسی طرح سے گھل مل جانا، خلط ہو جانا کہ ان کی جو تاثیرات ہیں وہ اپنے اندر آنے لگیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انسان ان چیزوں کی پرورش کر کے ان کو سکھاتا، ان کو صحیح راستے پر لگاتا، گھوڑے کو بھی، بیل کو بھی، اونٹ کو بھی، ان کو صحیح طریقے پر چلاتا۔ اب بجائے اس کے آدمی ان کے اثرات کو قبول کرنے لگے۔ یہ غلط طریقہ ہے، اس لئے صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ ایک صحابی ہیں جن کا نام ہے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ، انھوں نے نماز میں آنا بند کر دیا، مسجد میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جو لوگ نماز کے لئے نہیں آیا کرتے اس کی تحقیق، تفتیش فرماتے، مکان پر آدمی بھیجتے کہ خیریت

تو ہے، اچھے تو ہیں، کہیں باہر تو نہیں گئے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا کہ حنظلہ نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ تنہائی میں بیٹھ ہوئے۔ میں مراقبہ میں سر جھکائے۔ پوچھا کیا بات ہے۔ انھوں نے کہا، نَافِقُ حَنْظَلَةُ۔ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ کہا سبحان اللہ کیسی بات آپ کہہ رہے ہیں کیا بات آپ نے نفاق کی دیکھی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارا حال یہ ہے کہ جب تک کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی مجلس میں رہتے ہیں تو ایسا دھیان رہتا ہے کہ جیسے جنت اور دوزخ دونوں نظروں کے سامنے ہیں، اتنا استحضار رہتا ہے اور جب وہاں سے آکر بیوی بچوں میں لگ گئے تو وہ حالت نہیں رہتی۔ یہ تو نفاق کی صورت ہے، کہ کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے، وہاں کچھ ہے یہاں کچھ ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات تو ہمیں بھی ہوتی ہے۔ باقی اس کا حل یہ تو نہیں کہ یوں کونے میں آکر بیٹھ جائیں، مسجد میں بھی نہ جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی نہ جائیں۔ ہمارے تو مادی و ملجاری، ساری بیماریوں کا علاج، ساری پریشانیوں کا حل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ چلو چل کر پوچھیں، اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کیفیت تم لوگوں کی میری مجلس میں رہتی ہے، اگر یہی کیفیت باہر جا کر بھی برقرار رہے تو فرشتے تم سے راستہ میں مصافحہ کیا کریں، مگر یہ تو کبھی کبھی بات ہوتی ہے دائمی نہیں ہوتی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والوں کا حال یہ تھا کہ بس جتنی دیر بیٹھ تو بس معلوم ہوتا کہ جنت دوزخ نظروں کے سامنے ہے۔ یہ کیفیت ہوتی تھی، اتنا ایمان قوی ہوتا تھا، اتنا استحضار ہوتا تھا، یہ صحبت کی برکت تھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ایسی عظیم الشان تھی کہ جو شخص ایک مرتبہ بھی ایمان لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کھڑی دیر کے لئے بیٹھا وہ دلی کمال

ہو گیا۔ قیامت تک پیدا ہونے والے اولیاء اس ولایت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ کے یہاں اس کو اتنا بڑا مقام حاصل ہو جاتا تھا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت ہوتی تھی، اس لئے فرماتے ہیں، ”کُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ“ تقویٰ کیسے ملے گا، صادقین کے ساتھ رہو، ان کے ساتھ رہو گے تو ان کی صحبت کا اثر ہوگا، ان جیسے اعمال کر دو گے، ان جیسا داعیہ طبیعت میں پیدا ہوگا، ان جیسا تقویٰ پیدا ہوگا۔ تو بھائی، صحبت کا اثر ہوتا ہی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ ایک مرتبہ ایک مقام پر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام کرنا تھا ان کو وہاں، بہت سے لوگ ان کے شاگرد، ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے، ملنے کے لئے آئے، ایک صاحب بڑے انگریزی داں، بڑے شاعر، اونچے آدمی اپنی لائٹ کے ڈاکٹر اقبال صاحب، ان کے دوستوں نے کہا آپ بھی چلے۔ وہ کسی عالم اور مولوی کے قائل اور معتقد نہیں تھے، مگر بعض دوستوں نے کہا ساری دنیا میں چلتے پھرتے ہو، وہاں بھی چلو، کیا مضائقہ ہے، کہا اچھی بات ہے، آگے۔ آکر جو مجلس میں بیٹھے حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی بیٹھتے ہی ان کا ذہن منتقل ہوا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ایسی ہوتی تھی، صحابہؓ اتنے مؤدب اور مہذب بیٹھے تھے کہ کوئی حرکت نہیں کرتا تھا، کوئی سر نہیں ہلاتا تھا ایسے جیسے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہیں۔ سر ہلانے سے چڑیا اڑ جائے گی، اس شان کے ساتھ، اس وقار کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے تو حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلس دیکھ کر ان کا ذہن منتقل ہوا کہ واقعی یہ بات ہوتی ہوگی۔ شاہ صاحبؒ کے یہاں لوگ بیٹھے ہوئے مسائل پوچھ رہے ہیں، کوئی کچھ سوال کرتا ہے، کوئی کچھ سوال کرتا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ جواب دے رہے ہیں، ان کی شان جواب کی یہ تھی کہ جواب دینے کے فلاں شخص نے ایسا لکھا ہے فلاں کتاب میں اور اس کو ملاحظہ فلاں جگہ سے ہوا ہے، بہت دور تک اتنے پتہ بتلایا کرتے

تھے، گویا کہ چلتی پھرتی لائبریری تھے، کتب خانہ تھے، اتنی کتابوں کے حوالے محفوظ تھے ان کو، مختلف لوگوں نے مختلف سوال کے یہ بھی بیٹھے سُننے رہے جس وقت مجلس ختم ہوئی چلے آئے۔ اگلی مرتبہ پھر مجلس میں گئے پھر سوالات سُننے پھر مجلس سے واپس آئے اس کے بعد پھر گئے۔ انھوں نے خود سوال کیا کہ زمان کسے کہتے ہیں مکان کسے کہتے ہیں؟ شاہ صاحب نے تقریر کی۔ انھوں نے نیوٹن کا حوالہ دیا کہ نیوٹن نے ایسا لکھا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ نیوٹن نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ علامہ عراقی کے رسالے سے لیا ہے اور یہ خیانت اور بددیانتی کی ہے نیوٹن نے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ انھوں نے کہا علامہ عراقی کا رسالہ کہاں ہے۔ شاہ صاحب نے کہا دیوبند میں ہے میرے پاس ہے قلمی نسخہ، وہ نسخہ بھی بھیجا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بار بار آنے لگے۔ ایک دفعہ حدیث عالم کا ذکر آگیا تو حضرت شاہ صاحب نے اپنا رسالہ قصیدہ ضرب الحاتم علی حدود العالم سُنایا جس سے ڈاکٹر صاحب بہت متاثر ہوئے اور خیال آیا کہ یہ تو کچھ لکھے پڑھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ تو شاہ صاحب نے دیکھا کہ ان کو کچھ انس ہو گیا تو فرمایا کہ میں آپ سے خوش نہیں ہوں، اس واسطے کہ تم مرزائی جماعت جماعت احمدی کے سیکریٹری قادیانی ہو۔ شاہ صاحب کو اس سے بڑا غلیض تھا۔ جب یہ کہا تو یہ گئے خاموشی کے ساتھ اور جا کر اس سے استعفیٰ دیا اور توبہ کی اور آکر عرض کیا کہ حضرت جو کتنا کھٹکتا تھا وہ میں نکال آیا، میں تائب ہو گیا۔ اب شاہ صاحب متوجہ ہوئے ان کے قلب کی طرف۔ انھوں نے اپنے قلب کے اندر وہ کیفیت محسوس کی جس سے قلب ہمیشہ سے نا آشنا تھا۔ وہ سرور محسوس کیا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جب دیکھا تو بھر مک اُٹھے اور استغفار کہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضار لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفسِ ان کی
الہی کیا بھرا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
تمتِ دردِ دل کی ہے تو کر خدمتِ فقیروں کی

نہیں ملتا یہ گوہرِ بادشاہوں کے خزانوں میں
تو واقعہ یہی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت کھوڑی دیر کے لئے رکھی میسر آجائے تو بھی
بہت غنیمت ہے، بہت کارآمد ہے، گو اس کا اثر اس وقت کسی شخص کو محسوس نہ
ہو لیکن اثر کئے بغیر نہیں رہتی، اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی وقت پہنچ کر
اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

سُبحانہ کے ہنگاموں کی بات ہے ادھر جتنا کہ کنارے پر سہارن پور کے قریب
ایک شخص تھے۔ وہاں کی بستی ساری کی ساری مرتد ہو گئی وہ بھی مرتد ہو گئے مگر وہ گنگوہ
میں رہے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی مسجد میں انھوں نے نماز پڑھی
تھی اور اذان بھی کہی تھی۔ ایک شخص گنگوہ آرہا تھا تو انھوں نے اس شخص کی معرفت
کہلوایا کہ جاکر مولانا رشید احمد گنگوہی کے مزار پر یہ کہہ دینا کہ آپ کا مؤذن مرتد ہو گیا ہے
ایمان سے خالی ہو گیا ہے اس کو سنبھال لے۔ آنے والے نے کہہ دیا جیسے ہی اس نے کہا
اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب پر ایسی وحشت پیدا کی ہے وہاں رہنے سے، فوراً وہاں
سے چھوٹا اور نکل کر پاکستان چلا گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ وہ رہ چکا تھا گنگوہ حضرت
گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں، وہاں کی صحبت کا اثر تھا۔ لیکن ایک ماحول کی وجہ
سے پریشان ہوا۔ لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کو سنبھال لیا، ہدایت مل گئی۔ اس نے
کہتے ہیں سہ

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر است از صد سالہ طاعتِ ریاء
اگر اولیاء کے ساتھ ایک زمانہ صحبت کا مل جائے، کھوڑا سا وقت مل جائے تو

بڑی عجیب دولت ہے بستر برس تک اگر آدمی عبادت کرتا رہے لیکن اس کو علم نہیں کہ یہ عبادت صحیح طریقے پر ہو رہی ہے یا غلط طریقے پر ہو رہی ہے۔ شیطان راہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر ایک زمانہ اولیاء اللہ کی صحبت میسر آجائے جس سے نور باطن اس کو حاصل ہو جائے، جس کے ذریعے سے شیطان کے مکر اور کید کو پہچاننے لگے تو پھر وہ بڑے کمال کی چیز ہے۔ اسی لئے روایت میں آتا ہے ”اتَّقُوا حِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں ایسا نور پیدا فرماتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے وہ حق اور باطل میں تمیز کر لیتا ہے، کفر و اسلام میں تمیز کرتا ہے، طاعت و معصیت میں تمیز کرتا ہے، سنت و بدعت میں تمیز کرتا ہے، اس کو نور نظر آتا ہے اللہ کی اطاعت میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس کو نور نظر آتا ہے۔ وہ نور کے ذریعے سے بتا دیتا ہے کہ یہ کام سنت ہے یا غیر سنت ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے اہل اللہ کی صحبت کی۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے صحبت کے فوائد بے شمار لکھے ہیں۔ ان کے یہاں یہ طریقہ تھا کہ رمضان میں جگہ جگہ سے ان کے تعلق والے آتے اور ان کے یہاں اعتکاف کیا کرتے تھے، ان کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔ صحبت میں بیٹھنے سے ان کو عجیب قسم کا فیض حاصل ہوتا تھا، قلب کے اندر نورانیت پیدا ہوتی تھی، شیطانی رخصت ہوتی تھی، معصیت سے نفرت پیدا ہوتی تھی۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے جو حاجی امداد اللہ کے نام ہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب شیخ ہیں، مولانا رشید احمد صاحب ان کے مرید ہیں۔ پوچھا حضرت حاجی صاحب نے کہ اپنا حال لکھو، تو اس حال میں ان کا ایک طویل خط ہے، اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ آپ کے اقدام عالیہ سے جبے جدائی ہوئی ہے تو نسبت کا یہ حال ہے کہ معاصی سے طبعی نفرت ہو گئی، گناہوں سے طبعی نفرت ہو گئی۔

جیسے گندگی اور غلاظت سے طبعی نفرت ہوتی ہے اسی طرح سے گناہوں سے نفرت ہوگئی کتنا بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے نفرت پیدا فرماتے ہیں اور نفرت بھی طبعی، ایک تو نفرت ہے ایسی کہ اگر گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوگا، جہنم میں جائیں گے اور ایک یہ کہ اس سے بھی بالا ہو کر طبعی طور پر نفرت ہو جیسے گندگی سے طبعی طور پر نفرت ہو کر لیتی ہے۔ یہ کیفیت ہے۔ اور ایک لفظ فرمایا کہ بندہ کے نزدیک ماح اور ذام برابر ہیں، جو شخص تعریف کرتا ہے اس سے قلب پر کوئی اثر نہیں ہوتا، کوئی شخص بُرائی کرتا ہے اس کا قلب پر کوئی اثر نہیں ہوتا، یعنی ہر چیز کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں کہ تعریف کرنے والا جو کچھ بول رہا ہے یہ بھی خدا کے یہاں کی منظوری سے بول رہا ہے اور جو گالیاں دینے والا گالیاں دے رہا ہے وہ بھی تو خدا کی تقدیر کی منظوری سے ہو رہا ہے۔ لہذا ہمیں کیا دخل، کسی چیز سے نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج ہوتا ہے، یہ کیا چیز ہے، یہ وہی صحبت کا اثر ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں تھے۔ کتنے لوگوں کا حال یہ ہے کہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا، سلوک میں اٹک رہے ہیں، آگے کو طبیعت نہیں چل رہی ہے، لیکن اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے ہیں، ٹھوڑا سا وقت وہاں گزارتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ ان کی پریشانیوں کو دور فرما دیتے ہیں اور ان کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ تو میرے دوستو! صحبت کی بہت ضرورت ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کے یہاں یہ دارالعلوم قائم فرمایا، یہاں انتظام ہے تعلیم کا بھی، یہاں انتظام ہے اس بات کا بھی کہ اگر کوئی شخص اپنی قلبی پریشانیاں لے کر آئے، اللہ تبارک تعالیٰ یہاں کے اکابر حضرات کی صحبت سے، ان کی توجہ سے ان پریشانیوں کو بھی دور فرمائیں گے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ اصلاح کی طرف طبیعت کو مائل فرمائیں گے اور بدعات سے نفرت پیدا فرمائیں گے، سنتوں کی رغبت پیدا فرمائیں گے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو تو کچھ بھی آدمی علم حاصل کرنے کے لئے نہ آئے محض اللہ کے بندے کی

صحبت میں بیٹھنے کے لئے آئے، بہت بڑی دولت ہے۔

ایک کتاب میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص جارہا تھا اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے۔ ایک بستی سے دوسری بستی میں دور دراز کا سفر تھا۔ جب اس بستی کے کنارے پر پہنچا جہاں جانا تھا وہاں دیکھا ایک شخص کھڑا ہے، اس نے پوچھا بھائی تم کون ہو، کہاں جا رہے ہو، کیا مقصد ہے۔ بتایا فلاں شخص میرا دوست ہے اور اللہ کے راہ کا دوست ہے وہ، کوئی اور رشتہ داری نہیں ہے، صرف اللہ کی خاطر اس کو دوست رکھتا ہوں، دینی محبت کی وجہ سے اس سے ملاقات کے لئے جارہا ہوں، کہا اچھا تو میں بھی بتا دوں، میں ہوں اللہ کا فرشتہ، مجھے اللہ تبارک تعالیٰ نے یہاں تجویز کیا ہے کہ میں تم کو خوشخبری سنادوں کہ تم جنت میں جاؤ گے۔ تو محض ایک دوست کے پاس جانے کی خاطر جو اللہ کے لئے جارہا ہے اور دوستی بھی اللہ کے لئے ہے، دین کی خاطر دوستی ہے، اسی پر اللہ تبارک تعالیٰ کو اتنی مسرت ہوئی کہ اس کو جنت کی خوشخبری اسی دنیا میں رہتے رہتے سنادی۔ پیارے دوستو! اللہ تعالیٰ کے کارخانے سے جن کے قلب میں نورِ ایمان ہے، جن کے قلب میں عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جن کے قلب میں اللہ کا تقویٰ ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے، ان کے پاس جانے سے قلب کے اندر جلا رہا پیدا ہوتی ہے، صلاحیت پیدا ہوتی ہے، شیطان کے کید اور مکر سے حفاظت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس کو توفیق عطا فرماتے ہیں اعمالِ صالحہ کی اپنا قُرب عطا فرماتے ہیں، یہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت، بہت بڑی دولت ہے، اور اس وقت حضرت شیخ تشریف لائے ہیں، ان کی معذوری کو آپ دیکھ ہی رہے ہیں وہ کوئی بتانے کی چیز نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ نے ان کے قلب میں ایک لولہ پیدا فرمایا کہ اللہ کے بندوں پر شفقت ہے ان کو، اللہ کے بندوں کے ساتھ رافت کا، محبت کا تعلق ہے، وہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کہیں کوئی اللہ کا بندہ ہو جو

اس دولت کو لے، اور آئے ہیں اس واسطے کہ یہاں سے سب لوگ نہیں جاسکتے وہ تشریف لے آئے کہ آنے والے کچھ دیر پاس بیٹھیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام سیکھیں اللہ کے راستہ پر لگیں، گناہوں سے توبہ کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے وعدے کریں، اسی مقصد کے واسطے بس جگہ جگہ پر پھر رہے ہیں، جگہ جگہ پر مرکز قائم کر رہے ہیں، اسی لئے کسی نے کہا ہے یہ

خانقاہ و مدرسہ قائم نمودہ جا بجا تربیت کردہ فرستد کارواں باکارفا
جماعتیں کی جماعتیں ان کو تعلیم دے کر، ان کو صاحب نسبت بنا کر، پختہ کر کے بھیجتے ہیں ایک ایک شخص، ایک ایک علاقے میں پہنچ جاتے تو انشاء اللہ سب پر حادی ہیں اور اللہ کے نور کو پھیلائے، اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کرے، حق تعالیٰ نے ان کے لئے اس کا انتظام فرمایا اور جگہ جگہ پر، صرف یہیں نہیں تمام دنیا میں جہاں جہاں ان کو علم ہے کہ یہاں مسلمان لوگ آباد ہیں، وہاں کوشش کر کے آدمیوں کو بھیج رہے ہیں اور پرورش کر کے بھیج رہے ہیں، سکھا کر، تعلیم دے کر پختہ کر کے بھیج رہے ہیں! در لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کے دین کو پھیلاؤ۔ پیارے دوستو! اللہ والوں کے دلوں میں یہ جذبہ ہوتا ہے، یہ رحمت اور شفقت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مخلوق پر زیادہ سے زیادہ شفیق ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ حضرات کو بھی اس کا موقع دیا ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ پیارے دوستو! جو لوگ بیعت ہوئے ہیں ان کو لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے معمولات کی پابندی کریں۔ اس واسطے کہ بیعت ہونا نام کے واسطے نہیں۔ یہ بیعت ہونا ایسا ہی ہے جیسے ایک طالب علم مدرسہ میں آگیا، داخل ہو گیا، اس نے رجسٹر میں اپنا نام لکھا دیا۔ لیکن نہ کتاب پڑھتا ہے نہ سبق یاد کرتا ہے، نہ تکرار نہ مطالعہ کچھ نہیں کرتا۔ بتاؤ خالی نام رجسٹر میں لکھانے سے اس کو علم آئے گا۔ اس کو علم نہیں آئے گا۔ علم تو محنت کرنے سے آئے گا۔ اسی طریقے

پر جو لوگ بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے سے ان کا داخلہ تو ہو گیا لیکن جب محنت کریں
 گے تبھی جا کر کچھ آئے گا۔ یہ دولت بغیر محنت کے نہیں آتی۔ دنیا کی ذرا ذرا سی چیز کے
 واسطے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے کیا کچھ نہیں محنت کرنی پڑے گی، بڑی محنت
 کرنی پڑتی ہے لیکن حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ آدمی کھوڑی سی محنت کرتا ہے۔ محنت
 کرتا ہے آدمی اپنی حیثیت، اپنی طاقت کے مطابق، لیکن حق تعالیٰ اپنی شانِ عالی کے مطابق
 عطا فرماتے ہیں، بندہ کی حیثیت کے مطابق نہیں بلکہ اپنی شان کے مطابق عطا فرماتے
 ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے ایک کلمہ ایسا ہے کہ زمین سے لیکر آسمان تک جتنا حصہ یہ
 فضا ساری کی ساری ٹوٹا ہے بھر جائے، ایک کلمہ ایسا ہے کہ اس کو ترازو میں رکھ دو
 تو ترازو وزنی ہو جائے اس سے ترازو کا تمام پلڑہ بھر جائے اس سے، اللہ تبارک و
 تعالیٰ اتنا عطا فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک راستہ ہے ہی ایسا راستہ
 جو شخص اس راستے کو اختیار کرے گا وہ راہِ حبیب کو اختیار کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم اللہ کے حبیب، اللہ کے حبیب کا راستہ حبیب، اور جو لوگ اس راستے پر
 چلنے والے ہیں وہ اللہ کے حبیب بن جا دیں گے۔ اس واسطے محض بیعت ہو جانے پر،
 توبہ کر لینے پر قناعت نہ کریں، بار بار اس کا دھیان بھی کرتے رہیں کہ فلاں فلاں چیز ہے
 ہم نے توبہ کی اور یہ بھی کیا کہ اور کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ اور اگر گناہ ہوا ہے تو فوراً
 توبہ کریں، استغفار کریں، حق تعالیٰ مدد فرماتے ہیں، جو معمولات ہیں ان معمولات کی
 پابندی کریں، اذکار و اشغال کی پابندی کریں اور کوشش کریں کہ آپ کے یہاں بھی
 زیادہ سے زیادہ صاحبِ نسبت لوگ، تیار ہوں اور تیار ہو کر دنیا میں پھیلیں۔ یہ
 درحقیقت بہت بڑا لشکر ہے۔ یہ تمام عالم میں پھیلے گا اور یہاں سے جلے گا اور جا کر
 جگہ جگہ دین کی اشاعت کرے گا، باطل کو شکست دے گا، اللہ کے دین کو سب جگہ غلبہ
 کرے گا۔ نبی کو بھیجئے کا مقصد کیا ہے ”یُظْهِرْ عَلَى الدِّينِ كَلِمَةً“ اللہ تعالیٰ کے دین کو

تمام دینوں پر غالب کر دے، یہ مقصد ہے، اس واسطے جو لوگ ایسے ہیں کہ ان تک دین نہیں پہنچا وہاں بھی دین پہنچانے کی ضرورت ہے، جن کے پاس دین پہنچ گیا مگر وہ عمل کی طرف راغب نہیں ان کو عمل کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ یہ کوشش اور یہ میدان ایسا ہے کہ اس میں ساری عمر خرچ ہو جائے اور اسی طریقے پر آدمی کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت ہی قبولیت ہے، وہاں اس چیز کو رد نہیں کیا جاتا۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ بچوں کو یہاں داخل کرنا اور بچوں کو دینی تعلیم دلانا، جو بڑے لوگ ہیں اگر ان کو پڑھنے کا موقع ہو تو وہ بھی پڑھیں۔ اگر پڑھنے کا موقع نہیں تو کم از کم صحبت میں آکر بیٹھا کریں، بات دین کی پوچھتے رہا کریں، تعلق قائم رکھیں، مسئلے دریافت کرتے رہیں، اپنے کھریلو چیزوں میں بھی مشورے کرتے رہیں، اپنا اور بیوی کا کوئی قصہ پیش آئے، باپ بیٹے کا کوئی قصہ پیش آئے، تجارت اور ملازمت کا کوئی قصہ پیش آئے اس میں بھی مشورہ لیتے رہیں، ان مشورہ لینے میں بھی خیر ہے۔ اس واسطے کہ خیر کا مشورہ ملے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی عطا ہوگی، جو فائدہ اور ثواب اس میں ہے وہ دوسری چیز میں نہیں۔ اس لئے آپ حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی حضرت شیخ آپ کے یہاں آئے اور اپنے خدام کو لے کر آئے۔ خود تو غور کرو، مدینہ طیبہ کہاں، کتنی بلند جگہ، کتنا مبارک مقام اور وہاں سے یہاں تشریف لائے شیخ کو وہاں سے اپنے وطن جانا تھا، سیدھے پہنچ جاتے مگر یہاں تشریف لائے، کئی روز کا قیام کیا۔ مدینہ طیبہ کی جو نمازیں ہیں مسجد نبوی کی ان کی حیثیت کچھ اور ہے اور دوسرے مقام کی نمازوں کی حیثیت کچھ اور ہے لیکن یہ رافت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت، آپ حضرات پر شفقت، اسی نے مجبور کیا کہ یہاں تشریف لائیں اور تشریف لا کر اتنی بڑی جماعت کو مستفیض فرمائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے

تشریف لانے کو مبارک فرمائے اور آپ سب حضرات کے لئے بھی اور تمام عالم کے لئے بھی۔ اور جو لوگ یہاں نہیں آ سکے لیکن آنے کی خواہش اور تمنا ان کے دل میں ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی مبارک فرمائے اور قبول فرمائے اور اس مدرسہ کو بھی ترقیات سے نوازے اور جو مسجد کی تعمیر کی بنیاد رکھی گئی اللہ تعالیٰ اس کی تعمیر کو بھی مکمل کرائے اور اس کو آباد کرے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال سے آباد کرے، اس میں اللہ کا ذکر ہو، حدیث کی تعلیم ہو، قرآن پاک کی تعلیم ہو، اللہ کے تقویٰ کی باتیں ہوں، دین کی اشاعت کی چیزیں ہوں، اللہ تبارک تعالیٰ ان ذریعوں سے آباد کرائے۔ آج کل مسجد بارونق تو بہت ہوتی ہیں، فرش بھی اچھے اچھے بچھے ہوتے ہیں، فرنیچر اس کا شاندار بھی ہوتا ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ان میں کم ہیں۔ اس وجہ سے وہ آبادی آبادی نہیں۔ آبادی تو یہ ہے، حدیث پاک میں موجود ہے لوگ مسجد میں بنائیں گے بڑی اونچی اونچی اور بہت کچھ اس میں ہو گا لیکن وہ اللہ کے ذکر سے غیر آباد ہوں گی۔ مسجد میں آئیں گے تو بیٹھ کر ادھر ادھر بازار کی، تجارت کی باتیں کریں گے، کسی کی غیبت اور بُرائی کی باتیں کریں گے، آپس کی بے جا بحث کریں گے، سوال و جواب ہو گا اور لڑائی جھگڑوں کے قحطے ہوں گے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ مسجد کی شان کے خلاف ہیں یہ چیز نہیں ہونی چاہیے۔ مسجد میں کیا ہو، اللہ کا نام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کچھ لوگ ادھر کو بیٹھے ہیں وہ تو مسئلے مسائل کی باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے سوال کیا دوسرے نے جواب دیا۔ کچھ لوگ ادھر کو بیٹھے ہیں وہ عبادات میں مشغول ہیں، کوئی نفلیں پڑھ رہا ہے، کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں جماعتیں خیر ہیں۔ یہ بھی خیر ہے وہ بھی خیر ہیں۔ اور پھر جو لوگ مسئلے مسائل کی باتیں کر رہے تھے ان میں آکر بیٹھ گئے اور فرمایا "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں تو انھیں

میں بیٹھوں گا۔ اس واسطے مسجد میں تعلیم کی بات ہو، دین کی بات ہو، اعلیٰ چیز ہے۔
 خداوند تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے اور مسجد کی تعمیر کو مکمل کرائے اور اس کی تمام
 ضروریات کا خزانہ غیبی انتظام فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر قسم کے شرور
 سے محفوظ رکھے مدرسے کو بھی مسجد کو بھی، اساتذہ کو بھی، طلبہ کو بھی اور جو لوگ مدرسے
 سے وابستہ ہیں، تعلق رکھنے والے ہیں، جو بیعت ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی
 ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور دنیا کی عزت بھی دے اور آخرت کی عزت بھی
 دے، یہاں کی راحت بھی دے اور وہاں کی راحت بھی دے، شیطان کے فتنوں سے
 بھی بچائے اور نفس کے فتنوں سے بچائے، اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو قبول
 فرما دے، ایمان میں استقامت اور استحکام دے، تقویٰ میں پختگی عطا فرمائے
 صدق میں پختگی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین !

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ
 سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
 وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ
 أَجْمَعِينَ۔

www.ahlehaq.org

تقویٰ اور اس کے حصول کا طریقہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بعد خطبہ سنو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

اللہ جل جلالہ و عظم نوالہ کا پاک ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس آیت شریفہ میں ایمان والوں کو خطاب ہے اور تقویٰ کا خطاب ہے اور صادقین کے ساتھ رہنے کا خطاب ہے۔

ایمان کسے کہتے ہیں، تقویٰ کسے کہتے ہیں، صدق کسے کہتے ہیں؟ تین چیزیں اس میں ہیں۔ ایمان کے معنی ہیں مان لینا، اللہ جل جلالہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر اعتماد کرتے ہوئے مان لینا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ نبوت کا راستہ بیان فرمایا، احکام خداوندی بتادے ہیں بالکل وہی تسلیم ہے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ ایمان نام جاننے کا نہیں صرف جانا تو کفار و مشرکین کو بھی حاصل تھا۔ قرآن پاک میں ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ۔ آپ ان مشرکین اور کافروں سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا۔ اتنا وہ بھی جانتے تھے بلکہ یہاں تک بات تھی اِذَا أَحْبَبْتَ بَعْضَهُمْ دَعَوْا إِلَى اللَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ جب کشتی پر سوار ہیں سب طرف سے موجوں نے لہروں نے گھیر لیا، تاریکی ہے راستہ نہیں مل رہا ہے، اس وقت اللہ کو پکارتے تھے دعا بھی کرتے تھے اے اتنا ہی تسلیم کرتے تھے کہ ہاں وہ قادر ہے۔ اب سارے معبودان باطلہ وہ بت جن کی پوجا پاٹ کرتے تھے سب بیکار ہیں کسی کی طاقت کام نہیں دیتی۔ ان لہروں، موجوں میں سمندر کے طوفان میں گھرنے کے بعد طاقت خلود تعالیٰ ہی کی ہے جو بچا سکتی ہے کسی کی طاقت بچا نہیں سکتی اتنا وہ بھی جانتے تھے

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گزارنے کا انھوں نے فیصلہ نہیں کیا تھا۔ تو ایمان و حقیقت نام ہے فیصلہ کر لینے کا طے کر لینے کا کہ ہم اپنی پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ماتحت گذاریں گے، طے کر لینا فیصلہ کر لینا یہ عہد کر لینا یا اَبْغَا الْاِیْمَانُ اَمْنُوا ۱۱۷ وہ لوگو جو فیصلہ کر چکے ہو کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گذاریں گے۔ جب تم نے یہ فیصلہ کر لیا تو سنو۔ دنیا میں ایک حکومت دوسری حکومت کو جانتی ہے اس کے قوانین سے بھی واقف ہے، اس کی طاقت سے بھی باخبر ہے، ہوائی طاقتوں کو بھی جانتی ہے، بحری طاقتوں کو بھی جانتا ہے لیکن اس کے ماتحت رہ کر زندگی گزارنے کو تیار نہیں۔ لڑائیاں آپس میں ہوتی ہیں۔ بلکہ ایک ہی حکومت میں بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو قانون کو بھی جانتے ہیں، حکومت کے وزراء کو بھی جانتے ہیں، عدالتوں کو بھی جانتے ہیں ان کی سزاؤں کو بھی جانتے ہیں۔ اس کے باوجود اس حکومت کے ماتحت رہ کر زندگی گزارنے کو تیار نہیں۔ ایسے لوگ کیا کہلاتے ہیں، باغی کہلاتے ہیں۔ کیا باغی جانتے نہیں حکومت ہے؟ ضرور جانتے ہیں، حکومت کی سزاؤں کو نہیں جانتے، قتل اور پھانسی کی سزاؤں کو نہیں جانتے!؟ ضرور جانتے ہیں۔ اگر ایمان نام جاننے کا ہوتا تو سب کے سب مومن ہوتے۔ لیکن مومن تو درحقیقت وہ ہے جو فیصلہ کرے کہ ہاں مجھے اس طریقہ پر زندگی گزارنی ہے۔ حکومت کے وفادار وہی کہلائیں گے جو حکومت کے قانون کے تحت رہ کر زندگی گزارنے کو تیار ہوں، فیصلہ کریں۔ ورنہ تو باغی کہلائیں گے۔ جب کسی شخص نے وفاداری کا عہد کر لیا ایک حکومت کے ماتحت رہنے کے لئے وہ وہاں کا شہری بن گیا اب قانونی طور پر حکومت کے زیر اثر ہو گیا۔ پھر اگر بھول چوک سے غلطی سے اس نے کوئی خطا کی بھی ہو سکتا ہے کہ حکومت سزا دے، ہو سکتا ہے کہ معاف کر دے۔ دونوں باتیں ممکن ہیں۔ یہی حال خدائے پاک کے یہاں کا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ماتحت اس کے قانون کے ماتحت، اس کے نبی کی ہدایت کے ماتحت زندگی گزارنے کا جو شخص فیصلہ کر چکا عہد کر چکا، حلف وفاداری کر چکا وہ مومن ہے۔ پھر اس سے خطا قصور سرزد ہو جائے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ معاف فرمادیں، ہو سکتا ہے کہ سزا دیں۔ لیکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اے جہنم میں بھیج دیں ایسا نہیں ہوگا، ہمیشہ کے لئے جہنم میں تو وہی جائیگا جو باغی ہوگا اس کے لئے نجات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ

اَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَعْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، قرآن پاک نازل کیا جن لوگوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور اپنی زندگی کو اس کے ماتحت رہ کر گزارنے کا فیصلہ کر لیا وہ لوگ مومن ہیں ان سے کہا گیا کہ اے ایمان والو! جب تم ہمارے قانون کے تحت داخل ہو گئے جب تم نے ہم سے عہد کر لیا وفاداری کا جب تم نے فیصلہ کر لیا کہ ہمارے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق زندگی گزارو گے تو اَتَّقُوا اللہ اب اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ دیکھ بھال کر زندگی گزارو۔ قدم قدم پر بلکہ سانس سانس پر زندگی کو دیکھتے رہو کہ کوئی چیز خلاف قانون تو نہیں۔ یہ ایمان ایک پودا ہے جو قلب کے اندر اُگ آیا ہے۔ دنیا میں اس زمین پر جب کوئی پودا لگاتا ہے، پودے کی حفاظت کی جاتی ہے، چلتے ہوئے کوئی گائے بکری اٹے کھالے، کہیں سخت ترین گرمی کی وجہ سے کھلا جائے، سخت ترین سردی کی وجہ سے کہیں نہ ٹھٹھک جائے۔ غرض ضرورت کے وقت اس کو پانی بھی دیا جاتا ہے ضرورت کے وقت جانوروں سے بھی حفاظت کی جاتی ہے گرمی سردی سے حفاظت کی جاتی ہے جب اس کی پرورش ہوتی ہے تو پھر اس کے اوپر برگ و بار لگتا ہے، پتے شاخیں پھل پھول، مخلوق خدا اس سے نفع اٹھاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا وہ درخت بن جاتا ہے۔ حفاظت نہ کی جائے تو بسا اوقات تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ تو ایمان کا بھی پودا ہے جو قلب میں لگایا گیا ہے جس کی حقیقت مختصر لفظوں میں میں نے عرض کی کہ یہ فیصلہ کر لینا ہے اس پودے کی حفاظت کی ضرورت ہے پودے کی حفاظت کریں گے تو پودا قوی ہوگا اسی حفاظت کا نام ہے تقویٰ۔ خداوند تعالیٰ کی معصیتوں و نافرمانیوں سے اس پودے کی حفاظت کی جائے۔ پودا جیسے کہ گرمی سے خراب ہو جاتا ہے سردی سے خراب ہو جاتا ہے پانی نہ پہنچنے سے خراب ہو جاتا ہے کسی جانور کے کھالینے سے تباہ ہو جاتا ہے کوئی کیڑا لگ جاتا ہے اسی طریقہ پر ایمان نہ خراب ہو جائے ایمان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے۔ حدیث پاک میں تو موجود ہی ہے کہ جس طرح ظروف کو زنگ لگتا ہے ایمان پر بھی زنگ لگ جاتا ہے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو۔ جِدِّدُوا اِیْمَانَكُمْ ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، اس کو قلعی کرتے رہا کرو۔ پوچھا گیا کہ حضور! اسکی قلعی

کیا ہے؟ آپ نے فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کثرت سے پڑھو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے سے ایمان کا زنگ دور ہو جاتا ہے۔ کپڑے بھی میلے ہوتے ہیں ان کو بھی دھویا جاتا ہے صاف کیا جاتا ہے، مکان بھی میلا ہوتا ہے اس کے اوپر بھی قلمی کی جاتی ہے، برتن بھی میلے ہوتے ہیں ان کے اندر بھی ضرورت پیش آتی ہے صفائی کی۔ اسی طریقے سے ایمان کے اندر بھی میل لگتا ہے غفلت سے، ماحول کے برے اثرات سے، معاصی سے۔ اس لئے ایمان کی صفائی کی، حفاظت کی، تجدید کی، تجلیہ کی ضرورت ہوتی رہتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے ورنہ اگر ایمان کو تقویٰ کیساتھ مزین نہ کیا جائے تو ایمان سوکھ جائیگا زنگ لگ جائیگا خراب ہو جائیگا۔ اس لئے کہ انسان کے ساتھ ایک نفس لگا ہوا ہے جو اس کے اندر موجود ہے "إِنَّ أَعْدَىٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ" تمہارا سب سے گہرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے پہلو میں موجود ہے نفس۔ اور دوسرا دشمن انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے "إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ" انسان کے لئے شیطان کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کی عداوت مخفی نہیں کھلی ہوئی عداوت ہے لیکن عداوت کے جو طریقے ہیں وہ بہت مخفی ہیں ان کا ہر ایک کو پتہ نہیں چلتا۔ ان سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے نفس کی شرارتوں کی بھی ہر ایک کو خبر نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ میری طالب علمی میرے بچپن کے زمانہ میں میرے والد صاحب خط و کتابت مجھ سے کرایا کرتے تھے یعنی خطوط کا جواب میرے ذریعے لکھواتے تھے، ایک لفظ بولا انھوں نے "استمراج" استمراج کے معنی استصواب رائے، یہ لفظ فارسی میں مستعمل ہے عربی میں اس معنی میں مستعمل نہیں اور چونکہ عام دستور فارسی میں خط و کتابت کا تمنا اسلئے انھوں نے یہ لفظ بھی لکھوا دیا۔ مجھے اسکے معنی معلوم نہیں تھے، میں نے والد صاحب سے کہا ممکن ہے مکتوب الیہ اس لفظ کے معنی صحیح نہ سمجھ سکے لہذا کوئی دوسرا لفظ اس کے ہم معنی لکھوا دیجئے۔ انھوں نے دوسرا لفظ بول دیا لیکن شرارت میرے نفس کی تھی کہ اپنے جہل کو باپ تک سے چھپایا۔ اسی بات پر فرما رہے تھے کہ نفس کی شرارت کا یہ عالم ہے اپنے جہل کو باپ تک سے چھپایا۔ یہ نہیں کہا کہ میں جاہل ہوں میں نہیں جانتا اس کے معنی بلکہ یہ کہا شاید مکتوب الیہ جاہل ہو اس کے معنی نہ سمجھے۔ تو جہل

انسان کے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہے تو جو دشمن اتنا مصلح اتنا حاوی ہو آخر اس سے بچاؤ کی کیا صورت ہے اور یہ دشمن بھی حاوی ہے یہ کس طرح سے حاوی ہے کیوں حاوی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنت سے دنیا میں بھیجنے کی تجویز کی گئی اور شیطان کو نکالا گیا، لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا گیا تو شیطان نے دعائیں کیں ایک دعا یہ کہ اللہ اس آدم کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا جا رہا ہے مجھے مہلت دے قیامت تک زندہ رہنے کی، میری موت نہ آئے کیونکہ ایک دشمن خواہ کتنا ہی گہرا دشمن ہو جب مرجاتا ہے تو اطمینان ہو جاتا ہے کہ دشمن ختم ہو گیا، امید رہتی ہے کہ مرے گا تو سہی، اس کے بعد امن ہو جائیگا لیکن شیطان نے مہلت مانگ لی ”اَنْظِرْنِي اِلَى يَوْمٍ مَّيْبُتُونَ“ جس روز مردے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو مجھے اس روز تک مہلت دیدے۔ اور اس کی ہوشیاری یہ تھی کہ موت کے پھندے سے بچ جائے کیونکہ پہلا صور پھونکا جائیگا جس میں سب مرجائیں گے، دوسرا صور پھونکا جائے گا جس میں سب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے تو اس نے مہلت مانگی کب تک کی جب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اس وقت تک کی تاکہ موت سے چھٹکارا مل جائے۔ وہاں سے کہا گیا ”اِنَّكَ مِنَ الْمُنْتَظَرِيْنَ اِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ“ وقت معلوم تک مہلت دیدی گئی یعنی جب پہلا صور پھونکا جائے گا جس میں سب مریں گے اس وقت تجھے بھی مرنے سے تو بچاؤ ہے نہیں۔ ایک یہ مہلت مانگ لی۔

نیز اس نے دعا کی کہ آدم کی وجہ سے مجھے نکالا جا رہا ہے مجھے اس پر قابو دیدے۔ اس سے کہا گیا، اچھا تجھ کو انسان پر آدم پر قابو دیدیا گیا کہ رگوں میں گھس سکتا ہے خون کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔ کہا اس میں ترقی دے، کہا اچھی بات جس وقت میں انسان اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے شیطان بھی جاتا ہے، انسان کا نطفہ قرار پاتا ہے شیطان کا بھی قرار پاتا ہے، انسان کے نطفے میں جان پڑتی ہے شیطان کے نطفے میں بھی جان پڑتی ہے۔ شیطان کے بچے کو وہیں قابو دیدیا گیا انسان کے بچے پر یہاں تک کہ جب پیدا ہوتا ہے اسی کو ہمزاد کہتے ہیں تو وہ شیطان

کا بچہ انسان کے بچہ پر حاوی مسلط رہتا ہے وہی سے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:-
 صَيَاةُ الْمُؤَلُوذِ حِينَ يَقَعُ نَزْعَةً مِنَ الشَّيْطَانِ "بچہ بعض دفعہ سوتا ہوا بالکل بیخ اٹھتا ہے
 چلا دیتا ہے، کیا ہے وہ شیطان چوکا مارتا ہے اسکو،

ادھر شیطان نے وعدہ کیا "قَالَ فَمَا آغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
 الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَا يَنبَغُ لَهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
 شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" اے پاک پروردگار تو نے مجھے گمراہ تو کر ہی
 دیا، بے راہ تو کر ہی دیا لیکن میں بھی تیرے سیدھے راستے پر جا بیٹھوں گا۔ آگے پیچھے دائیں بائیں
 ہر طرف سے انسان کو بہکاؤں گا اور اکثر لوگ ان میں سے ایسے ہوں گے جو شکر گزار نہ ہوں گے یعنی
 میرے قابو میں آجاویں گے۔ غرض یہ کہ شیطان کو قابو ہوا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے
 اللہ! شیطان کو تو میرے اوپر مسلط کر دیا میرے بھی تو بچاؤ کی کوئی صورت بتا۔ خَلَى الْإِنْسَانُ ضِعْفًا
 الْإِنْسَانُ تُوْبَهُتْ ضَعِيفٌ اَوْ كَمُزُوْرٌ هُوَ۔ میرے لئے بھی بچاؤ کی کوئی صورت بتا۔ اچھی بات ہے۔ بچاؤ
 کی صورت بتلائی گئی کہ جب شیطان کا بچہ آدمی کے بچہ پر مسلط ہوگا تو ہم فرشتے مقرر کر دیں گے
 حفاظت کے لئے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جس طرح شہد کا بپالہ رکھا ہوا اور کوئی آدمی بٹھا
 ہوا ہاتھ ہلاتا رہتا ہو، بکھیوں اور پھروں کو بھگاتا رہتا ہو، ذرا اپنا ہاتھ روکے تو بکھیوں اور پھروں کا
 چھتہ کا چھتہ اس پر آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طریقہ پر شیاطین اور جنات کو ملائکہ ڈھکیلے رہتے ہیں
 انسان سے اگر ذرا دیر... کو... بھی حفاظت روک لیں تو بس چھتہ کا چھتہ ان کا آبیٹھے اور بجکے
 بونی کر کے انسان کو بانٹ کھائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حفاظت کرتا ہے انسان کی۔

آدم علیہ السلام نے درخواست کی کہ اے پاک پروردگار! مجھے بھی کچھ ترقی دیجئے! فرمایا
 اچھا! ایک نیکی کرو گے تو دس گنا ثواب، اگر خطا ہوئی یا تو معاف کر دیں گے یا اتنی ہی سزا جتنی خطا
 ہوئی۔ آدم علیہ السلام نے درخواست کی کہ اور ترقی دیجئے، شیطان نے تین دعا کی تھی آدمؑ
 نے بھی تین دعائیں کیں، ترقی دی اور فرمایا مرنے سے پہلے پہلے جب بھی توبہ کر لو گے معاف
 کر دیں گے۔ اب شیطان پریشان ہوا کہ لیجئے ساری عمر محنت کروں گا، آدمی سے گناہ کراؤں گا، خطا

کراؤں گا اور وہ مرنے سے پہلے تو بکر لیگا اس کے تو سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، میری توساری محنت بیکار ہو جائے گی۔ تو تو یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے رکھی ہے۔

غرض یہ ہے کہ اس دارالامتحان میں اللہ نے بھیجا ہے۔ اس قید خانہ میں بھیجا ہے کہ ہر طرف اس کے لئے پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں۔ اور اس کی حفاظت کے واسطے بھی حق تعالیٰ نے انتظام فرمادیا۔ اتنے دشمن خارج میں لگے ہوئے ہیں آدمی کے ساتھ، سانپ آدمی کا دشمن، بکھو آدمی کا دشمن، بھیڑیا آدمی کا دشمن، شیر آدمی کا دشمن، امراض قسم قسم کے لگے ہوئے ہیں۔ ہیضہ ہو جائے وہ آدمی کا دشمن ہے، طاعون ہو جائے وہ آدمی کا دشمن ہے، بعض کتاب الطب کو اٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دشمنوں سے بھری ہوئی ہے جغرافیہ کو اٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہوگا انسان کے دشمنوں سے بھرا ہوا ہے۔ خود انسان کے بدن کا یہ حال ہے کہ ذرا سا ڈاڑھ میں دانت میں درد ہو جائے تو بے چین ہو جاتا ہے۔ قلب کی تکلیف ہو جائے تو بے چین ہو جاتا ہے، درد گردہ ہو جائے تو بے چین ہو جاتا ہے، پیشاب رگ جائے تو تکلیف، غرض یہ کہ یہ دارالامتحان۔ ایسا ہے کہ اندر باہر ہر طرف امتحان ہی امتحان ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بے کس نہیں چھوڑ دیا کس پر سی کی حالت میں نہیں چھوڑ دیا، اپنی نصرت کا وعدہ کیا ہے، اُس سے یہ ذرا سا صحیح طریقے پر چلنے کا عہد کر لے کیا وہ کسی کا شعر ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تو انسان اگر تیار ہو جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار بن کر زندگی گزارے کیلئے فیصلہ کر لے تو حق تعالیٰ کی طرف سے جگہ جگہ سے نصرت بھی ہوتی ہے۔ اب آدمی رات میں سوتا ہے کون اس کی حفاظت کرتا ہے، سارے دشمنوں سے وہی حفاظت کرنے والا ہے۔ قسم قسم کی چیزیں کھاتا ہے۔ ہر چیز کی تاثیر کو اس کے حق میں موافق بنا دیتا ہے۔ یہ کون کرتا ہے؟ وہی تو کرتا ہے! انسان کے بدن میں ایسی مشینیں لگا دی ہیں کہ غذائیں مختلف قسم کی کھاتا ہے اور اس کا نال نکل نکل کر کے اس کے لئے قوت جسم کا باعث بنتا ہے۔ یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟ حق تعالیٰ ہی

کرتے ہیں۔ یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں چھت ٹھہری ہوئی ہے ابھی نہیں گر رہی ہے حق تعالیٰ نے ٹھہرا رکھی ہے اور جس وقت حکم ہوگا حق تعالیٰ کی طرف سے گرنے کا فوراً گر جائے گی سارے انظامات رکھے رہ جائیں گے۔ آرام سے زمین پر بیٹھے ہیں چلتے پھرتے ہیں اپنا کاروبار کرتے ہیں زمین و جنس نہیں جاتی۔ یہ کس نے زمین کو ٹھہرا رکھا ہے؟ حق تعالیٰ نے ٹھہرا رکھا ہے زلزلہ آکر تباہ و برباد نہیں ہو جاتے، یہ حفاظت کے انظام حق تعالیٰ نے کر رکھے ہیں۔ جہاں اتنے دشمنوں میں رکھا ہے اپنے بندہ کو اور یہ بندہ ایسا جو اللہ کا خلیفہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنا کر انسان کو بھیجا ہے۔ اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی اتنی بڑی مخلوق کے درمیان گھرا ہوا اتنے دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا حق تعالیٰ دیسے ہی چھوڑ دینگے اس کو! ایسا نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کوئی ہے عورت ایسی جو اپنے بچہ کو جلتی آگ میں ڈال دے۔“ (صحابہ نے عرض کیا) ایسی کونسی عورت ہوگی جو اپنے بچے کو جلتی آگ میں ڈال دے ہرگز نہیں۔ فرمایا جتنی محبت عورت کو اپنے بچے سے ہے حق تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبت اپنی مخلوق سے ہے، حق تعالیٰ اس کی حفاظت کرتے ہیں، ہاں تھوڑے دنوں کا یہ امتحان ہے جو فیصلہ کرے حلف و فاداری کرے اس کے مطابق زندگی گذارے اور تھوڑی بہت بھول چوک ہوتی ہے معاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہاں بھی معافی کا بہت بڑا دروازہ ہوگا۔ لیکن اپنی طرف سے یہ طے ہونا چاہیے کہ مجھے اس راہ پر زندگی گزارنی ہے اس میں تردد نہ ہو۔

تو ایمان کی حفاظت کے واسطے تقویٰ ہے فرمایا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ“ اے ایمان والو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو یہ ایمان سلامت رہیگا ایمان میں ترقی ہوگی جس قدر زیادہ سے زیادہ آدمی تقویٰ اختیار کرتا ہے قانون خداوندی پر عمل کرتا ہے حق تعالیٰ کے معاصی سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی قدر ایمان قوی اور مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ ایک جنگل میں، دوپہر کا وقت سخت ترین گرمی، وہاں تھے۔ ارادہ کیا وہاں کھانا کھانے کا۔ دیکھا کہ ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے اس کو فرمایا ”آؤ بھائی تم بھی میرے ساتھ کھا لو۔ اس نے

کہا صاحب میرا تو روزہ ہے۔ فرمایا تیرا روزہ کیسا؟ رمضان نہیں اور کوئی دن ایسا نہیں کلاس دن کے روزہ کی خاص طور سے فضیلت آئی ہو مثلاً محرم کی دس تاریخ ہے یا ذی الحجہ کی نو تاریخ ہے یا شعبان کی پندرہ تاریخ ہے۔ ایسی کوئی تاریخ نہیں کیا بات ہے۔ کیوں روزہ رکھا ہے؟ اس سخت گری میں۔ اس نے کہا میں تو اپنے ایام خالیہ کو کام میں لارہا ہوں۔ ایام خالیہ کیا ہے؟ وہ قرآن کریم میں آیا ہے ”كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْكَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ“ کہ اللہ کے فرماں بردار بندوں سے جنھوں نے اللہ کے خاطر بھوک اور پیاس کی مشقت کو برداشت کیا اور جدوجہد کی اللہ کو راضی کرنے کے لئے ان سے کہا جائیگا کھاؤ پیو ان اعمال کی وجہ سے جو ایام خالیہ میں تم نے کئے تھے، ایام ماضیہ میں کئے تھے۔ تو اس نے تشریح کی اس کی کہ آج میرے ذمہ کوئی سخت کام مشقت کا نہیں تھا میرے آقا مولیٰ کی طرف سے، میں نے سوچا خالی دن کو کیوں بیکار ضائع کروں لہذا روزہ رکھ لیا میں نے۔ اُن کو اس کا یہ تصور بہت پسند آیا اور وہ قدر دان تھے ہر نیکی کے قدر دان تھے۔ اس سے یوں فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے، اچھا ایک بکری ہمیں دیدو ہم اس کو ذبح کریں گے تمھیں بھی گوشت دیں گے۔ اس نے کہا صاحب یہ بکریاں میری بلکہ نہیں میں تو چرواہا ہوں، محافظ ہوں، محافظ کو تو حق نہیں ہے بکریاں دینے کا مالک کی بکریاں ہیں۔ تو انھوں نے اس کے دل کا اندازہ کرنے کے لئے فرمایا ہر روز بکریاں گنی تھوڑی ہی جاتی ہیں۔ کیا مالک روزانہ بکریوں کو گنتا ہے شناخت کر کر کے، ایک بکری کو تو بھیڑ یا بھی لے جاتا ہے، ایک بکری تو کھوٹی بھی جاتی ہے اور جب بکریوں کی تعداد زیادہ ہو اس میں ایک بکری کا اس طرح چھپ جانا یا ضائع ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ اس نے بڑی حیرت سے سنا انکی بات کو اور کہا ”فَإِنَّ اللَّهَ“ اور اللہ کہاں؟ یعنی اگر میں اپنے مالک کو دھوکہ دیدوں کہ ایک بکری کھوٹی گئی، ایک بکری کو بھیڑ یا لے گیا، اللہ تو دیکھ رہا ہے وہ تو کہیں نہیں چلا گیا۔ مولیٰ تو یہاں موجود نہیں اللہ تو موجود ہے۔ جو بکریوں کا مالک ہے وہ تو نہیں دیکھ رہا ہے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ اس کا استحضار تھا۔ حضرت ابن عمر کو بہت پسند آیا اس کے مالک کی تحقیق کر کے اس سے ساری بکریاں خرید لیں اور

اس غلام کو بھی خرید لیا خریدنے کے بعد اس کو اطلاع دی کہ میں نے تمہارے مالک سے تمہاری ساری بکریاں خرید لیں (اس نے کہا) اللہ برکت دے۔ فرمایا میں نے تم کو بھی خرید لیا (اس نے کہا) اللہ اس میں بھی برکت دے۔ پھر فرمایا کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا اور یہ بکریاں سب تم کو دیدیں۔ پہلے چڑھا تھا اتنی رعایت تھی کہ ایک بکری بھی نہیں دے سکتا تھا اب وہ مالک ہو گیا مالک ہو کر زندگی گزارا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے اسی استحضار کی، اللہ کہاں ہے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بڑھیا تھی اس کو جذام کا مرض تھا بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لئے آتی تو اس سے لوگوں کو اذیت ہوتی پریشانی ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو منع فرمادیا تھا کہ توطواف کرنے کے لئے بیت اللہ میں مت آیا کر، اپنے گھر بیٹھ۔ بیٹھ گئی تعمیل ارشاد کر لی جس وقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا، بڑھیا کو کسی نے اطلاع کی جس نے تم کو منع کیا تھا ان کا انتقال ہو گیا، اب کوئی حرج نہیں مسجد میں آجایا کر۔ بڑھیا نے جواب دیا، عمر ایسا شخص نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں اس کی بات مانی جائے انتقال کے بعد نہ مانی جائے۔ اس واسطے وہ نہیں مانی۔ نہیں آئی بیٹھ گئی۔ یہ فیصلہ کی شان ہوا کرتی ہے۔ بیت اللہ کی فضیلت حاصل کرنے کا اسے بہت شوق تھا لیکن نہیں آئی کیونکہ امیر المومنین نے منع کر دیا تھا۔ فیصلہ کی یہ شان ہوتی ہے۔ جب مومن نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گزارنی ہے تو اس فیصلہ پر پختگی کے ساتھ قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ اور قائم رہنے کی کیا صورت ہے؟ "اتَّقُوا اللَّهَ" اللہ سے ڈرتے رہو۔

ایک بزرگ سے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ وہ جنگل، کھیت اور باغات کے حالات سے واقف تھے، انھوں نے بتلایا کہ جس طرح سے جھاڑیاں کھڑی ہوں، خاردار درخت کھڑے ہوں، اتنے اتنے یہاں سے وہاں تک اور آدمی ان کے درمیان میں کو چلتا ہے کپڑوں کو بچا کر چلتا ہے، جسم کو بچا کر چلتا ہے کہ کسی جھاڑی میں اٹک نہ جائے کہیں گر نہ جائے جیسا کہ وہ آدمی چوکتا ہوشیار رہتا ہے کہ پیر رکھتا ہے ادھر رکھتا ہے کپڑے کو ادھر سے بچاتا ہے ادھر

سے پاتا ہے۔ یہ تھوڑے کی ایک حسی صورت ہے اس دنیا میں، اسی طریقہ پر حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ رمضان میں روزہ ہر شخص جانتا ہے وضو کرتے ہوئے غزارہ نہیں کرتا منہ میں پانی لیکر غرغز نہیں کرتا، کوئی شخص کہے کہ ذرا سالن کا نمک چکھ لو تو نمک نہیں چکھتا ڈرتا ہے کہ کہیں روزہ نہ ٹوٹ جائے۔ احکام کی یوں رعایت کی جائے کوئی حکم اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ“ اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ اختیار کرو گے تو ایمان کا درخت مضبوط ہوگا قوی ہوگا اس کے اوپر برگ و بار آئیں گے اس کی شاخیں بہت دور تک پھیلیں گی تمام اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی، شعب ایمانیہ سب زندہ ہونگے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: ”لِكُلِّ شَيْءٍ مَّعْدَنٌ وَمَعْدَنُ التَّقْوَى قُلُوبُ الْعَارِفِينَ“ ہر شے کے لئے ایک معدن ہے اور تقویٰ کا معدن کیا ہے، عارفین کے قلوب، عارفین کے قلوب میں تقویٰ ہے وہاں سے ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خزانہ عطا فرمایا ہے تقوے کا، جو شخص ان کے پاس بیٹھتا ہے ان کی بات سنتا ہے اس پر عمل کرتا ہے ان کا اتباع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تقویٰ عطا فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ کرام بیٹھے تھے ان کی جو کیفیت اس وقت ہوتی تھی اس کو وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ حضور کی مجلس میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دوزخ جنت ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہ کیا بات تھی بات یہی تھی جیسے کے پاس آدمی بیٹھتا ہے ویسے اثرات ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین کتنا قوی تھا کہ کسی وقت یہ چیزیں حضور سے غائب نہیں ہوتی تھیں پاس بیٹھنے والوں پر بھی اس کا اثر پڑتا تھا سیدھی سیدھی بات ہے۔ ایک عورت کا بچہ مر گیا اس کا دل سینہ، غم سے بھرا ہوا اگر وہ پاس آئے پاس بیٹھے تو پاس بیٹھنے والوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ میرے سینہ میں غم ہے بلکہ پاس بیٹھنے والا بھی غمگین ہوتا ہے متاثر ہوتا ہے اس سے بغیر اس کے بتائے، طبیعت کے اندر انسان کے مادہ رکھا ہوا ہے کہ دوسرے کی طبیعت سے مضمون لیتی ہے۔ حضرت مولانا ایسا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم لوگ عادی ہو گئے زبان سے لینے کے، الفاظ سے لینے کے

جوابات الفاظ سے کہی جائے اس سے مضمون کو لیتے ہیں الفاظ تو بہت ضعیف واسطہ ہیں اس میں غلطی کا احتمال قوی ہے، اصل مضمون تو طبیعت سے لینا چاہیے۔ ایک کی طبیعت کے اندر جو مضمون ہو اس کی طبیعت سے مضمون لینا چاہیے اسی واسطے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں نے خط لکھا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں رہوں کچھ روز اگر دلی سے، تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ تم کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں تم کو مجھ سے کچھ حاصل کرنے کے لئے یہاں وہاں دوڑنا دیکھ سب برابر ہیں جب طبیعت میں رنگ اتنا غالب ہو جائے جسے کہتے ہیں اپنے رنگ میں رنگ لینا فلاں فلاں کے رنگ میں رنگا گیا۔ یہی رنگ میں رنگا جانا اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اگر عارفین کے قلوب کے ساتھ یہ تعلق قوی ہو جائے کہ آدمی ان کے رنگ میں رنگا جائے تو یقیناً اس کے قلب میں تقویٰ آئیگا اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا معاصی کا صدور ہوگا جس طرح اعمال صالحہ کے ذریعہ سے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے جیسے پودے میں پانی دیا جاتا ہے اس کی ترقی ہوتی ہے، اعمال صالحہ کے ذریعہ سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے، اسی طرح اعمال سیئہ اور فواحش کی وجہ سے ایمان میں کمزوری پیدا ہوتی ہے ضعف پیدا ہوتا ہے اور ضعف پیدا ہوتے ہوتے یہاں تک کہ برائے نام رہ جاتا ہے اس کے اندر ایمان، اگر ایمان کی کوئی علامت متہی نہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو، اپنے ایمان کو مضبوط رکھو اور مضبوط رکھنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو "وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایک قافلہ چلا جا رہا ہے آدمی اس قافلہ کے ساتھ ہو جائے قافلہ کو جانتا ہے کہ یہ لوگ راستہ سے واقف ہیں ان کا امیر راستہ سے واقف ہے، نشیب و فراز کو بھی جانتے ہیں اور جو خطرات ہیں ان کو بھی جانتے ہیں۔ راستہ میں جہاں کہیں ضرورتوں کی سہولتیں ہیں ان کو بھی جانتے ہیں، ایسے قافلہ کے ساتھ آدمی ہو جائے تو منزل مقصود تک اس کے لئے پہنچنا آسان ہے۔ ایک آدمی تنہا یہاں سے چلے جج کرنے کو جائے اس کو کتنی

دشواری پیش آئے گی اور ایک یہ کہ قافلہ کا قافلہ اور اس قافلہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو کئی مرتبہ جمع کر چکے ہیں، جانتے ہیں ساری چیزیں، ان کے ساتھ جائے کس قدر سہولت ہوگی۔ ایک شخص غیر مسلم ہے آج کلمہ پڑھتا ہے، اس کو آپ تنہائی میں بیٹھ کر وضو کرنا سکھائیں نماز پڑھنا سکھائیں، مسائل سکھائیں، کتنی دشواری پیش آئے گی اور اگر مسجد میں لے آئیں سب کو وضو کرتے دیکھا سب کو نماز پڑھتے دیکھا بہت جلدی سیکھ جائے گا۔ اس لئے فرماتے ہیں ”کُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ“ صادقین کے ساتھ بن جاؤ۔ صادقین کون لوگ وہ لوگ جن کے قلب میں بھی اللہ نے صدق عطا فرمایا ہے، عقائد حقہ ان کو نصیب، جن پر ایمان کا مدار، جن پر نجات کا مدار، جو اللہ نے آسمان سے نازل فرمائے، جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ایسے عقائد حقہ اللہ کو اس کی ذات و صفات کے لحاظ سے ایسا ہی مانتے ہیں جیسا کہ اس کا حق ہے۔ کما ہوا کھدا۔ اور ان کے اعمال میں بھی صدق ہے، ان کے اخلاق میں بھی صدق ہے، ان کی زندگی میں بھی صدق ہے، ان کی زبانوں پر بھی صدق ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ تو عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ، اقوال صحیحہ ان چیزوں کو اختیار کرو۔ جن لوگوں کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں ان کے ساتھ ہو جاؤ انشاء اللہ تقویٰ بھی آجائے گا، انشاء اللہ ایمان بھی قوی ہوگا۔ ایمان کو اختیار کرو اور ایمان کو اختیار کرنے پر تقویٰ کی کوشش کرو۔ تقویٰ کے حاصل کرنے کی صورت یہ کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ صادقین کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تقویٰ اعلیٰ درجہ کا عطا فرمائے گا جس سے ایمان کو قوت ہوگی۔

ایک شخص مثلاً تبلیغی جماعت میں جاتا ہے اس شخص کی عادت یہ کہ بات بات میں گالی دیا کرتا ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا، شراب بھی پیتا ہے۔ لوگوں سے لڑتا بھی ہے اُسے الْحَمْدُ نہیں آتی، اے التَّحِيَّاتُ نہیں آتی، سورعین نہیں جانتا، تبلیغی جماعت میں گیا اور تبلیغی جماعت میں چالیس روز تک وہ رہا تو دیکھو کتنا بڑا تغیر ہوا اس میں

چالیس روز تک وہ شراب سے بچاربا، وہ لعنت کا کام جس پر آسمان سے لعنت نازل ہوئی اور جس پر شریعت نے کوڑے کی سزا مقرر کی اس لعنت کے کام سے گھر بیٹھے نہیں بچ سکتا تھا جب صادقین کے ساتھ میں گیا تو چالیس روز تک لعنت کے کاموں سے بچاربا، گالی دینے سے بچاربا، جھوٹ بولنے سے بچاربا، حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے میلوں دور چلا جاتا ہے۔ تو رحمت کے فرشتے دور ہو جاتیں ایسی چیز میں رات دن مبتلا تھا جب چالیس روز تک سفر میں رہا تب لیغی جماعت کے ساتھ رہا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو محفوظ رکھا چالیس روز تک گالی نہیں دی۔ چالیس روز تک اس نے وضو کیا، نمازیں پڑھیں، کسی نماز کو قضا نہیں کیا۔ اگرچہ ساتھ والوں کو اس کی وجہ سے کچھ پریشانی بھی لاحق ہوئی لیکن بھائی ساتھ والے تو لے ہی جاتے ہیں اس لئے کہ اس کی ساری نازبرداری کرینگے ساری پریشانی برداشت کریں گے اس کی۔ یہ برکت کا پے کی ہے، یہ چالیس روز تک صادقین کے ساتھ رہنے کی برکت ہے۔

میرے محترم بزرگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت بڑی جماعت کو یہاں پر بھیج دیا، ہم نہیں جانتے اس جماعت میں کون اللہ کے نزدیک کس مرتبہ کا ہے۔ ہمارے اندر آنکھیں نہیں ہیں دیکھنے کو کہ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرب بندوں کو پہچان سکیں۔ کس کا درجہ اللہ کے یہاں کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا۔ اور ہمارا گمان ہے کہ انشاء اللہ یہ صالحین کی جماعت ہے ایک مہینہ "صالحین صادقین" کے ساتھ رہ کر انشاء اللہ تعالیٰ قلوب کی بھی اصلاح ہوگی، اخلاق کی بھی اصلاح ہوگی، اعمال کی بھی اصلاح ہوگی۔ جو خراب عادتیں ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی حفاظت فرمائیں گے۔ اس واسطے کہ "وَأَمَّا الصَّادِقِينَ" کا ایک نمونہ یہ ہے۔ پہلے بزرگوں کے یہاں ہوتا تھا کہ چلے کرایا کرتے تھے اور بڑے بڑے محلہ بے کرایا کرتے تھے۔ کسی کسی عمل کے متعلق چالیس روز تک تاکید تھی کہ ایسا کرو، مثلاً ایک شخص کے مزاج میں تکبر بہت ہے اپنی بڑائی ہر وقت کرتا ہے حالانکہ تکبر کے متعلق حدیث پاک

میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا اس کو دوزخ کی آگ میں جلا جلا کر تکبیر نکالا جائیگا تب وہ جنت میں جانے کے قابل ہوگا، اس سے پہلے وہ جنت میں جانے کے قابل نہیں حدیث میں موجود ہے حدیث قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الْکِبْرُ یَاؤُذَی بڑائی میری چادر ہے جو شخص بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے میری چادر پھین رہا ہے۔ اللہ کی چادر کوئی پھیننا چاہے تو اس کا کوئی ٹھکانا ہے اس واسطے کسی شخص سے تکبر کے سلسلہ میں کسی بزرگ نے تجویز فرمائی کہ خانقاہ کے لوگوں کے جوتے سیدھے کرو۔ اب وہ بڑائی ساری کی ساری رکھی رہ گئی۔ لوگوں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں کسی سے فرمایا کھڑے ہو کر ہر نماز کے بعد اعلان کیا کرو کہ حضرات میرے اندر تکبر کی بیماری ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نجات عطا فرمائے۔ غرض یہ چیزیں تجویز کرنے والوں کے اختیار کی ہیں وہ جس کے لئے جو علاج مناسب سمجھیں تجویز فرمایا کرتے ہیں ہم کو اپنی رائے سے تو کوئی دخل دینا نہیں ہے ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا ہے کہ جو کچھ ہمارے لئے تجویز ہوگا ہم اس کو اختیار کریں گے جیسے آدمی ہسپتال میں داخل ہو جاتا ہے تو پرہیز، علاج، دوا، جو کچھ ہے ڈاکٹر کی رائے سے ڈاکٹر کے مشورہ سے نہ بغیر ڈاکٹر کی رائے کے کوئی چیز کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے نہ چل پھر سکتا ہے، نہ کہیں جاسکتا ہے اس لئے جس طرح ڈاکٹر کی نگرانی پورے طور پر ضروری ہے اور آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میری صحت اسی میں ہے۔ آدمی بڑے آپریشن کے لئے تیار ہو جاتا ہے اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے ڈاکٹر کو، کیونکہ ڈاکٹر پر اعتماد کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا خیر خواہ ہے میری بیماری کو دور کرنے کے لئے کوشش کر رہا ہے اگرچہ مجھے تکلیف ہوگی مگر میری خیر خواہی کے لئے پس اگر عادت کے خلاف کچھ چیزیں ایسی ہیں جنکو برداشت کرنے میں تکلیف اور پریشانی لاحق ہو تو خندہ پیشانی سے اس کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے مصلح نے ہمارے واسطے تجویز کیا۔ حق تعالیٰ نے ہمارے اوپر بہت کرم فرمایا کہ ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ایسے خفیق معان کو ہمارے واسطے تجویز فرمایا ان کی ہر تجویز کو خوشحوشی کے ساتھ اختیار کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ ہمارا نفع اسی میں ہے ایک بزرگ تھے ان کے یہاں خانقاہ تھی

ایک صاحب اس خانقاہ میں قرب نوافل کے مقام پر تھے، قرب نوافل کے مقام میں اللہ تعالیٰ بندے کو ایک چیز عطا فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جو کچھ وہ بولتا ہے میرے ذریعے سے بولتا ہے، یعنی آدمی نوافل پڑھتے پڑھتے نفل اعمال کرتے کرتے اللہ کا اس قدر قرب بن جاتا ہے کہ اس کی زبان پر وہی چیز جاری ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہو جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہو اس کی زبان بولتی ہی نہیں۔ فرماتے ہیں میں بندے کا پیر بن جاتا ہوں میرے ذریعے سے چلتا ہے یعنی بندہ اس راستہ پر چلتا ہے جس راستہ پر چلنا حق تعالیٰ کو پسندیدہ ہو اور جس راستہ پر چلنا حق تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں بندہ اس راستہ پر نہیں چلتا اور پھر اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات آدمی جو کچھ کہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ وہ صاحب لیٹے ہوئے سو رہے تھے لوئی شخص آیا اور ہار ہاتھ سامنے۔ اس کو ٹھوکر لگ گئی ان کے، چونکہ سوتا ہوا آدمی غافل ہوتا ہے اس کی ٹھوکر سے نیند کھلی اور فوراً غصہ میں آکر وہ کہتا ہے تو اندھا ہے! بس یہ کہنا تھا کہ وہ نابینا ہو گیا۔ نابینا ہو گیا بڑی پریشانی۔ ان کے شیخ کو اطلاع کی گئی کہ صاحب یہ ہوا۔ شیخ نے فرمایا اچھا۔ ان سے مطالبہ کیا کہ ایسا تم نے کیوں کہا؟ جواب دیا کہ صاحب غصہ آگیا تھا۔ کہا۔ اچھا تو علاج۔ جو حضرت تجویز فرمادیں۔ بہت اچھا۔ ان کا وضو، نماز، استنجا، قضا، حجت سب تمہارے ذمہ ہے۔ قضائے حاجت کے واسطے ان کو لیکر جایا کرو، وضو کے واسطے لیکر جایا کرو، نماز کے واسطے لیکر جایا کرو۔ اور ان کو بھی بتا دیا کچھ۔

چنانچہ ان صاحب نے تو جو قرب نوافل کے مقام میں تھے نماز تہجد کی نیت باندھی اور وہ خواب لیٹے لیٹے نابینا صاحب کہہ رہے ہیں مجھے استنجے کے لئے جانا ہے۔ اب جلدی جلدی اپنی نماز پوری کرتے ہیں اور اس کو لے کر جاتے ہیں۔ ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو وہ کہتا ہے مجھے وضو کرائیے۔ عرض جوائن کے معمولات تھے جن سے ان کو قلبی انس ہو چکا تھا جن کا چھوٹنا ان کے لئے بہت زیادہ گراتی کا باعث تھا، ان کا پورا کرنا دشوار ہو گیا۔ جب دیکھ لیا کہ پوری اصلاح ہو گئی تو فرمایا ان بزرگ نے کہ اچھا معلوم کر کے جہاں وہ لیٹے ہوئے ہیں زور سے ٹھوکر

مار کر گر پڑنا، چنانچہ اس نے جا کر ٹھوکر ماری اور گر پڑا۔ اب یہ اٹھے سونے سے، ارے بھائی آنکھ کھول کے چل، آنکھ کھول کے چل۔ بجائے یہ کہنے کے کہ ”اندھا ہو گیا ہے“ یہ کہا کہ ”آنکھیں کھول کے چل، آنکھیں کھول کے چل“۔ اللہ نے آنکھیں کھول دیں اس کی۔

اس واسطے یہاں اجتماعی حیثیت میں بہت بڑا فائدہ، اصلاح اخلاق کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے کسی شخص کا تذکرہ آیا۔ پوچھا کیسا آدمی ہے، وہ، تو ایک آدمی نے کہا ”صاحب بڑا اچھا ہے“ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ آپ نے پوچھا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ نہیں اس کے پڑوس میں رہتے ہو؟ نہیں۔ لین دین کا معاملہ کیا ہے؟ نہیں۔ کہا تم نہیں جانتے لَعْلَافِ دَآئِیۃَ یَرۡکُمۡ وَیَسۡجِدُ شَآئِیۡدَ تَمۡ نَے اے نفلیں پڑھتے دیکھا ہو، اسوجہ سے کہہ دیا کہ بہت اچھا ہے تو آدمی کی شناخت کے تین موقعے ہیں۔ یا تو سفر ساتھ ہو، جہاں ساری چیزیں طبیعت کے خلاف ہوتی ہیں وہاں برداشت کرے آدمی۔ یا پھر پڑوس میں رہتا ہو کہ رات دن کے حالات سامنے ہوں پڑوسیوں کو معلوم ہوتا ہی ہے کیا حال ہے۔ یا پھر لین دین کا معاملہ ہو جس سے دیانت اور ایمانداری کا پتہ چلتا ہے۔ اس واسطے یہ جو اجتماع ہے، اس اجتماع میں ایک جگہ پر رہنا اس میں اخلاق کی بڑی اصلاح کا موقعہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

بس آیت کا حاصل اتنا ہی ہے کہ اے وہ لوگو جو فیصلہ کر چکے ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت ہم اپنی زندگی گذاریں گے۔ اس کی کیا صورت ہے؟ اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کیسے آئیگا، صادقین کے ساتھ میں ہو جاؤ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں یہ سب چیزیں عطا فرمائی ہیں، اس کا کرم ہے فضل ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قدر کی توفیق عطا فرمائیں۔

www.ahlehaq.org

مُحِبَّتِ حَقُّ تَعَالٰی اِکِی عِلَامَتُ

بہقام خانقاہ محمودیہ
ریٹ فنیٹن، یامریج، ٹرانسوال، ساؤتھ افریقہ
بتاریخ ۵ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله، الحمد لله نحمدك ونستعينك ونستغفرک ونؤمن به ونتوکل
 عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده
 الله فلا مضل له، ومن يضلل الله فلا هادي له، ونشهد ان لا اله الا الله
 وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله،
 ارسله بالحق بين يدي الساعة بشيراً ونذيراً من يطع الله ورسوله
 فقد رشد ومن يعص الله ورسوله، فانه لا يضره الا نفسه لا يضر الله
 شيئاً. اما بعد! اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ
 فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
 قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ
 اللہ جل جلالہ، و عم نوالہ، نے ارشاد فرمایا اپنے پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم سے کہ آپ کہہ دیجئے، اعلان فرما دیجئے، سب لوگوں کو سمجھا دیجئے، اگر تم اللہ کے
 محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے،
 تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مخلوق کو اپنے
 خالق سے محبت ہوتی ہی ہے، جو خالق حقیقی جل شانہ، ہے وہ تو بہت بالاتر ہے۔
 دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو اپنی ماں سے محبت ہوتی ہے۔

یہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ بسا اوقات ماں بچہ کو مارتی بھی ہے لیکن پھر بچہ
 ماں کو لپٹتا ہے جاکر، وہ دھکّا دیتی ہے پٹائی کرتی ہے۔ بچہ روتا ہے پھر جاکر ماں
 ہی کو لپٹتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مادی دلہا میرا جو کچھ ہے وہ ماں ہی ہے۔ انسان تو
 انسان جانوروں میں بھی یہ بات ہے۔ ہر بچہ اپنی ماں کے پاس جاتا ہے یہ اس کی
 ابتدائی فطرت ہے طبیعت ہے۔ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جاتا ہے دوسرا ماحول
 اس کے سامنے آتا جاتا ہے اور دوسروں کے اثرات اس پر پڑتے ہیں۔ اور جو
 احتیاج اپنی ماں کی طرف سمجھتا تھا وہ احتیاج کم ہوتی جاتی ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ
 ماں دودھ پلاتی تھی اب تو خود بھی کھانے کے قابل ہو گیا ماں کی کچھ حاجت
 نہیں رہی، اس قسم کی چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں اور حقیقی علم کی کمی کی وجہ سے
 ماں کی محبت کم ہوتی جاتی ہے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت عطا
 فرمائی ہے یقین سے نوازا ہے، اپنے حقیقی علم سے نوازا ہے اس کی طبیعت سے
 ماں کی محبت کم نہیں ہوتی، باوجودیکہ ماں اب اس کو دودھ نہیں پلاتی ماں
 اس کو اب کپڑے نہیں پہناتی، ماں اس کو نہلاتی نہیں، ماں اس کو کھانا پکا کر
 نہیں دیتی، وہ خود اپنا انتظام کرتا ہے۔ لیکن اللہ نے اپنا ایک حقیقی علم اس کو
 عطا فرمایا ہے اس علم کی وجہ سے ماں کے حق کو پہچانتا ہے۔ جوں جوں علم زیادہ
 ہوتا جاتا ہے، عمر زیادہ بڑھتی جاتی ہے ماں کی قدر و منزلت بڑھتی جاتی
 ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔
 اس لئے ماں کا احترام کرو۔ باپ کی رضامندی میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے۔
 باپ کی ناراضگی میں حق تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ یہ چیزیں شواہد اس کو ملتی جاتی ہیں۔
 وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جس کے
 جو جو حقوق متعین کئے ان کو ادا کئے جائیں، اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

اس تصور کے تحت حق تعالیٰ کو راضی کرنا کہ یہ حق تعالیٰ ہی کو راضی کرنے کے لئے ہے۔
 ماں باپ فطری محبت طبعی تعلق ہوتا ہے۔ اور اگے بڑے ہو کر خراب ماحول میں
 پرو کر علم حقیقی سے ناواقفیت کی بنا پر بسا اوقات وہ تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ
 کہ آدمی ماں باپ کا دشمن ہو جاتا ہے بعض دفعہ۔ اور دشمن ہو کر ماں باپ کو پریشان
 کرتا ہے، ستاتا ہے، خاص کر جبکہ ماں باپ کے پاس دولت موجود ہوتی ہے،
 تو کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح سے ماں باپ سے یہ دولت حاصل کر لے۔ بعض دفعہ
 زہر دیے تک بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے
 اس واسطے تاکہ اس کی میراث اس کو مل جائے۔ شریعت نے اس کو محروم کر دیا۔ اس
 کو میراث نہیں ملتی وہ محروم ہو گا۔ باپ کے مرنے کے بعد اس کو میراث مل جاتی لیکن
 جس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ قتل کرنے کی وجہ سے باپ کی میراث سے محروم ہو گیا۔
 تو ماں باپ سے گہرا تعلق ہوتا ہے، حالانکہ وہ اس کا خالق نہیں اصل خالق اللہ تعالیٰ
 ہیں۔ جب ماں باپ سے اتنا تعلق ہوتا ہے تو حق تعالیٰ سے کتنا تعلق ہو گا۔ حق تعالیٰ
 سے اس سے زیادہ تعلق ہو گا۔ ہر مخلوق کو اپنے خالق سے تعلق اور محبت ہے۔ اور
 محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ اور جتنا جتنا خالق کے احسانات کو دیکھتا جاتا ہے،
 مشاہدہ کرتا جاتا ہے، خالق کے انعامات کو اپنے اوپر دیکھتا جاتا ہے، مشاہدہ
 کرتا ہے اُسی قدر وہ محبت زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس محبت کا شکریہ
 ادا کرنے کے لئے، اس محبت کے اظہار کے واسطے طور طریقے مختلف ہیں۔ کسی نے
 کوئی طریقہ اختیار کیا، کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا۔ اب ان میں حق اور ناحق کی
 شناخت کے واسطے یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی
 اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، اللہ کے احسانات تمہارے اوپر ہیں، تم کو اس کا
 اعتراف ہے کہ تم اس کے انعامات میں گھرے ہوئے ہو تو اس کی محبت و شکریہ کے

ظہار کا طریقہ کیا ہے فَاتَّبِعُونِي میرا اتباع کرو یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے، یہ علامت ہے اس کی کہ ہاں تمہارا راستہ صحیح ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ کی محبت کے اظہار کے واسطے تم نے کوئی دوسری صورت اختیار کی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے تو وہ اللہ کو پسند نہیں۔ مثلاً یہود نے کہنا شروع کیا تھَا عَنْ يَدِ ابْنِ اَدْلَه۔ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان کی اتنی بڑائی بیان کی، اتنی بڑائی بیان کی کہ اُن کو ان کی حد سے بہت اونچا کر دیا۔ ان کی پرستش کرنے لگے۔ حالانکہ پرستش صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے اور کسی کا حق نہیں۔ تو کسی مخلوق کو خالق کے درجہ پر پہونچا دینا یہ اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ نہیں۔ یہ تو اللہ کے غصہ اور ناراضگی کا ذریعہ ہے، مگر انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی اتنی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں گے۔ تو حقیقت میں حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق کا ثمرہ ہے جو ہم نے اختیار کیا۔ اسی طرح سے نصاریٰ نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کیا بلکہ اُن کو الہ کہنا شروع کیا، ان کی پرستش کرنے لگے، ان سے پوچھا گیا ایسا کیوں کرتے ہیں تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ حق تعالیٰ ہمارے خالق ہیں۔ مخلوق کو اپنے خالق سے محبت، ہوتی ہے۔ اس خالق کی محبت کی خاطر ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کی پرستش کرتے ہیں تاکہ بارگاہ الہی میں ہماری سفارش کر دیں۔ ادھر عرب کے مشرکین تھے جو اپنے ہاتھوں سے بُت بناتے تھے، ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے، ان سے پوچھا گیا تم ایسا کیوں کرتے ہو تو انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ درحقیقت ہمارا خالق اللہ ہے وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ كَيْفَ قُلُوْا اَدُلُّا۔ ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہتے تھے اللہ نے پیدا کیا۔ تو خالق اللہ تعالیٰ کو ماننے تھے اور کہتے تھے

مَا نَعْبُدُ هُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبَنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفًا، ہم ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ کی بارگاہ میں ہم کو قریب تر کر دیں، اللہ کی بارگاہ میں سفارش کر دیں۔ غرض ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم کو حق تعالیٰ کی محبت ہے اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے جو طریقے اختیار کر رکھے تھے وہ طریقے غلط تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا یہ طریقے ان کے اپنی طرف سے تجویز کئے ہوئے ہیں ہمارے بتائے ہوئے نہیں۔ بھی جس سے محبت ہوتی ہے محبوب سے پوچھو تو کس بات پر خوش ہیں کس بات پر خوش نہیں۔ محبوب کو آرام اور راحت پہنچانے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جو درحقیقت ناخوشی کا باعث ہے۔ یہ تو غلط طریقہ ہے۔ پہلے معلوم کرو کہ محبوب کس بات سے خوش ہوتا ہے۔ جس بات سے محبوب خوش ہوتا ہے اس کو اختیار کرو۔ جس بات سے اللہ خوش نہ ہو وہ بات اختیار کرنا غلط ہے۔ وہ ان کی خوشی کا ذریعہ تھوڑے ہی ہے بلکہ تمہارے لئے عَصَہ کا ذریعہ ہے یہ۔ لہذا حق تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے جو طریقہ اللہ کو پسندیدہ ہو یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔ بظاہر اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر کسی شخص نے اپنے محبوب کے خلاف کوئی طریقہ اختیار کیا جو اس محبوب کو ناپسند ہے تو وہ محبوب کا مُجِب نہیں کہلائے گا، وہ تو مخالف کہلائے گا جو بات نہ مانیں اس کی مرضی کے خلاف کرے وہ مُجِب کہاں ہے وہ تو مخالف ہے۔ حدیث پاک میں ایک واقعہ آیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنایا، حاکم بنایا، ان کو رخصت کیا اس طریقہ پر کہ ان کو ادنٹ پر سوار کرادیا خود پیدل چلے ساکتے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ اُقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدل چلیں اور اُن کا ادنیٰ خادم ادنٹ پر سوار ہو کس قدر بوجھ ہوا ہو گا ان کی طبیعت میں۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہی تھا، آپ کی خوشی ہی تھی۔ انھوں نے اپنی خوشی کو ماتحت کر دیا حضور کی خوشی کو اختیار کیا۔ لہذا یہ سوار

ہی ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نصیحتیں کرتے ہوئے گئے۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس سے خوش ہوتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھنا ہے کہ ہمارے نزدیک کیا چیز بڑھیا ہے کیا چیز ہلکی ہے۔ ہمارے نزدیک تو بظاہر یہی چیز بڑھیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوں اور خادم پیدل چلے ساتھ لیکن جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی منظور ہے، ان کی خوشی یہی ہے کہ خود پیدل چلیں دوسرے کو سوار کریں تو اسی صورت کو اختیار کرنا چاہیے۔ جیسے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جس وقت میں سیلۃ الکذاب سے جہاد ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سب سالار بنایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سوار کرایا۔ اور خود پیدل چلے دور تک نصیحتیں کرتے ہوئے، ایسا کرنا، ایسا کرنا، ایسا کرنا۔ ظاہر ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بہت چھوٹا سمجھے تھے اپنے کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تو وہ مقام ہے جو کسی کو بھی نبیوں کے بعد حاصل نہیں۔ خیر البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابوبکر بن الصديق۔ جمعہ کے خطبہ میں سُنئے ہوں گے۔ تمام امت کا ایمان اگر ترازو کے ایک جانب میں رکھا جائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دوسری جانب میں رکھا جائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان زیادہ ہوگا۔ یہ حدیث پاک کا معنوم ہے۔ اس کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سوار کرایا اور خود پیدل چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اسی میں تھا انھوں نے اسی کو پسند کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ لہذا خود بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی کوئی تکلف نہیں کیا۔ بہت اچھا جس طرح

سے آپ فرماتے ہیں اس طرح سہی نہ

چوں تماں خواہد ز من سلطان دیں خواہد بر فرق قناعت بعد ازیں
 جب سلطان دین ہم سے طلب فرمائے کہ ایسا کرو تو ہمیں ایسے ہی کرنا چاہیے۔ اسکے
 خلاف ہمارے پاس سود لیلیں ہیں ستوا خواہش ہوں سب کو قربان کر دینا چاہیے۔ نبی
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ہی ہے در حقیقت گڑ کی بات، اور پھر اسی طریقہ پر
 جس وقت جنگ قادسیہ ہوئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں
 اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سہ سالار
 بنایا اور ان کو سوار کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دور تک ان کو ہدایتیں دیتے گئے،
 نصیحتیں کرتے گئے۔ اس طرح سے کرنا، اس طرح سے کرنا، اس طرح سے کرنا،
 اس لئے کہ ان سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا۔ اور ان
 سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا۔ حدیث پاک میں یہ بھی موجود ہے
 عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔ تم میری سنت کا اتباع کرو اور میرے
 خلفاء راشدین کی سنت کا اتباع کرو۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مبارک کو
 جس طرح سے خلفاء راشدین نے دیکھا اور سمجھا اور عمل کیا ہمارے لئے ایک مستقل
 حیثیت کی چیز ہے۔ اتباع کرنے کا اس میں ہمیں حکم ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
 اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے درمیان بھی کتنا بڑا فرق تھا۔ حضرت
 عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المومنین بھی تھے اور ان کے لئے خاص طور پر تمغہ بھی ہے
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جس راستے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چلتے ہیں شیطان
 اس راستے سے نہیں چلتا۔ اتنی بڑی شان تھی ان کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی
 دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اَدْرِ الْحَقَّ حَيْثُ دَارَ عَمْرُو۔ اے اللہ جس طرف کو عمر چلتے ہیں حق کو اسی
 طرف چلا الحق بیّنطق علی لسانِ عمر رضی اللہ عنہ حق ناطق ہے عمر کی زبان۔ کتنی آیتیں قرآن پاک

میں ایسی ہیں اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مشورہ دیا، ایک رائے پیش کی اس کے موافق قرآن پاک کی آیت نازل ہو گئی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی حضور کیا اچھا ہوتا کہ مقام ابراہیم پر آپ مصلیٰ بنا کر نماز پڑھتے۔ آیت نازل ہوئی **وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى**۔ اسی طرح سے اور بھی متعدد آیتیں ہیں۔ غرض حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیدل چل رہے ہیں میں سوار ٹھیک ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشا یہی ہی ہے۔ لہذا اپنی پوری زندگی کو تلاش کر کے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کس بات میں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے؟ کیا عمل ہے؟ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو عمل ہو وہی ہمارے لئے کارآمد ہے وہی ہمارے لئے خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي** تم کو اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے تو میرا اتباع کرو۔ میرا اتباع نہیں تو دعویٰ صادق نہیں۔ کیونکہ اللہ سے محبت تو ہر ایک کو ہے مگر کیفیت ایسی ہے جیسے کہ آگ کی چنگاری ہے اس کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے جس کی وجہ سے آگ کا خاص اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی چیز کو جلانے کا کام کر رہی ہے نہ پکانے کا کام کر رہی ہے نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا ہے۔ اس واسطے کہ راکھ کے اندر دبی ہوئی ہے، اگر ہوا چلے یا کوئی اللہ کا بندہ پہونچکر اس راکھ کو ہٹا دے تو پھر آگ کی چنگاری اسی طریقہ سے روشن ہوگی، اس سے سب کام لیا جاسکتا ہے۔ یہی حال ہے کہ محبت کی چنگاری ہر ایک کے قلب میں اپنے خالق کی طرف سے لیکن ماحول کے تعلقات اور ماحول کے اثرات کی راکھ اس کے اوپر پڑی ہوئی ہے۔ اہل اللہ کی صحبت میں آدمی پہونچتا ہے وہاں کی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے پھر وہاں سے وہ راکھ ہٹتی ہے، توجہ سے اٹتی ہے، محنت سے اٹتی ہے پھر وہ چنگاری بڑھتی ہے بہت کچھ کارآمد ہوتی ہے **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي** میرا اتباع کرو۔

يُحِبُّكُمْ اللّٰهُ۔ نتیجہ کیا ہوگا اس کا تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ جس سے محبت کرنا مقصود ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود اس سے محبت کرنے لگے۔ آدمی یہ چاہتا ہے کہ میرے شیخ مجھ سے محبت کریں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ سے محبت کرے اور محبت کرنے کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ شیخ کی منشاء کے مطابق ہو اس طریقہ پر زندگی گزارے۔ شیخ کا منشاء یہ ہو کہ اتباع سنت کے ساتھ ہی زندگی گزارے تو آدمی سارے اثرات اور سارے ماحول کے تعلقات پر غالب کر دے اس بات کو کہ میں تو شیخ کی ہر منشاء کے مطابق کروں گا۔ شیخ نے فرمایا کہ فلاں ذکر کیا کرو فلاں وظیفہ پڑھا کرو، فلاں شخص سے نہ ملو، فلاں جگہ پر مت جاؤ، تنہائی میں بیٹھو، زبان سے زیادہ مت بولو، ادھر ادھر مت دیکھو۔ یہ چیزیں شیخ نے کہی ان چیزوں پر وہ شخص عمل کرے گا تو شیخ خوش ہوں گے شیخ مسرور ہوں گے۔ جب مسرور ہوں گے شیخ تو محبت کریں گے۔ تو جو شخص کسی سے محبت کرنا چاہتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے محبت کرنا چاہیے۔ آدمی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے محبت کرنے لگے۔ اور اس کے نتیجہ میں کیا ہوگا اللہ تعالیٰ بھی محبت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی مخلوق سے محبت ہے، زبردست محبت ہے اس محبت کو کوئی برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ جتنی اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ لیکن اس محبت کا ظہور اس دنیا میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور آخرت میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ لہذا جب اللہ سے محبت کرے گا آدمی تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے۔ دوسرے یہ کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محبت ہوگی۔ اس طریقہ پر وہ اللہ کا بھی محبوب بن جائیگا۔ فرماتے ہیں يُحِبُّكُمْ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے تم کو محبوب بنا لیں گے۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اللَّهُ تَعَالَى تہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ۔
 اللہ تعالیٰ کی شان تو یہی ہے کہ وہ غفور میں رحیم ہیں۔ آدمی ذرا بڑھے تو صبح اُدھر کو
 مغفرت طلب کرے درخواست کرے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اَرْبَابَ اغْفِرْ لَنَا۔
 جگہ جگہ قرآن پاک میں یہ صیغے موجود ہیں۔ مغفرت کی درخواست ہے، دعا کرے، اللہ
 تعالیٰ دعا کو قبول کرتے ہیں۔ چونکہ یہ دعا ہے اور قرآن پاک میں ہے اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ
 لَكُمْ دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کر دوں گا۔ جب بندہ دعا کرتا ہے کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا تو حق تعالیٰ اس کی
 دعا کو قبول کرتے ہیں۔ جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف کو چلتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اُٹھا
 لیتے ہیں اپنی طرف۔ جیسے ایک چھوٹا بچہ ایک صاحب کی گود میں ہے۔ اُدھر سے میں کہتا
 ہوں آجا میرے پاس اُدھر سے آپ کہتے ہیں آجا میرے پاس۔ بچہ کے اندر طاقت نہ
 میرے پاس آنے کی نہ آپ کے پاس آنے کی۔ اتنا کمزور ضعیف ہے چھوٹا بچہ ہے لیکن میری
 طرف دیکھ کر ذرا وہ مسکرایا لب کھولے اس نے اور ذرا اشارہ کیا۔ میں فوراً اُٹھا،
 گود میں لے لیتا ہوں کہ میرے پاس آئے۔ اسی طریقہ پر جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف چلتا ہے
 تو حق تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اس کو اُٹھا لیتی ہے۔ جس جگہ پر بندہ چل نہیں پاتا طاقت
 نہیں لیکن چلنے کا ارادہ کرتا ہے، چلنے کا اشارہ کرتا ہے، رحمت حق بہت بڑی مدد کرتی
 ہے اس کو آسان کر دیتی ہے، اس کے لئے چلنے لگتا ہے وہ۔ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ۔
 بندہ جب مغفرت کی دعا کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں گے۔ لیکن دعا تو
 کرے۔ دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ قلب کو حاضر کر کے دعا کرے۔ چونکہ حدیث پاک
 میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَا يَهْدٰهُ اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قلب کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایک شخص اگر
 دیوانہ ہے وہ آواز دے رہا ہے کسی کو، مگر وہ تو دیوانہ ہے کسی خاص ارادہ اور کسی
 نیت سے نہیں۔ کوئی بھی اس کی آواز کی طرف توجہ نہیں کرتا، جانتے ہیں کہ یہ تو پاگل

ہے، کرتا ہی ایسا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دل میں نیت رکھتے ہوئے بلاتا ہے، تو آپ اس کی طرف ضرور متوجہ ہوں گے۔ دیوانہ پکارے گا تو کوئی جواب نہیں دیگا۔ کیونکہ اب اس کی نیت کا کوئی اعتبار ہی نہیں رہا۔ ہر جانے والے کو پکار رہا ہے، ہر مخلوق کو پکار رہا ہے۔ اس کی زبان پر جو لفظ آجاتا وہ بول لیتا ہے۔ تو جو شخص قلب حاضر کے ساتھ دعا نہیں کرتا خالی زبان سے کرتا ہے اس کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح سے حدیث پاک میں آتا ہے کہ بسا اوقات بندہ سفر میں ہے بال اس کے بکھرے ہوئے، میں یعنی اس کے پاس سر کو ٹھیک کرنے کے لئے نہ تیل ہے نہ کنگھا ہے گرد و غبار اس کے اوپر پڑا ہوا ہے، پریشان حال ہے اور جناب دہاں کھڑے ہو کر دعا کرتا ہے۔ یا رب یا رب پکارتا ہے، حق تعالیٰ کو، اپنے رب کو پکارتا ہے لیکن مَا کَلَّا حَرَامٌ وَمُشْرَبٌ حَرَامٌ وَمَلْبَسَةٌ حَرَامٌ فَإِنِّي يَسْتَجَابُ۔ تو دعا کے قبول ہونے کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی حلال روزی کھائے، حلال روزی پئے، حلال لباس استعمال کرے حرام چیز سے بچے۔ اور اگر سر سے پیر تک حرام میں ملوث ہے باہر بھی حرام اندر بھی حرام، خداوند تعالیٰ کی تو نا فرمانی اتنی کر رکھی ہے۔ اس سے تو قلب ویسے ہی تاریک ہو جاتا ہے، قلب متوجہ ہی نہیں ہوتا، حاضر ہی نہیں ہوتا۔ زبان سے چاہے کہتا ہے لیکن قلب متوجہ نہیں، قلب کی توجہ تو حلال روزی سے حاصل ہوتی ہے۔ حلال روزی آدمی حاصل کرے گا تو قلب کے اندر توجہ پیدا ہوگی۔ اور پھر دعا کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ مانگا ہے فوراً اسی وقت مل جائے بلکہ مشائخ نے لکھا ہے دعا کے قبول ہونے کی چند صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جو چیز اللہ سے مانگی، جب مانگی، جی جلدی ہی وہی چیز مل گئی۔ بندہ سمجھتا ہے کہ میری دعا قبول ہوگئی بہت جلدی قبول ہوگئی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگا ملا تو وہی مگر ابھی نہیں دیر میں، بعض دفعہ اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ بندہ کو یاد نہیں رہتا کہ میں نے فلاں کام کیسے

دعا کی تھی۔ دیر بعد وہی چیز مل گئی۔ اب بندہ کو یاد بھی نہیں کہ میں نے دعا کی تھی حالانکہ اسی دعا کا یہ نتیجہ ہے۔ جیسے مثلاً ایک بچہ ہے آپ کا۔ بچہ کہتا ہے مجھے بندوق لے دیجئے۔ ابھی اس میں صلاحیت نہیں بندوق چلائے کی، نقصان پہونچائے گا وہ اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی بندوق نقصان کا باعث بن جائے گی۔ اس لئے آپ اس کی بات نہیں مانتے یہاں تک کہ اس کا دل دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بڑا ہو جاتا ہے بندوق سنبھالنے کے قابل ہو جاتا ہے اُس وقت آپ بندوق لیکر اسے دیدیتے ہیں۔ تو جو درخواست بچہ نے بچپن کے زمانہ میں کی تھی اس کو اپنے پورا کیا لیکن اتنی مدت بعد کہ اسے وہ یاد بھی نہیں رہی۔ حالانکہ اُسی کی درخواست کا نتیجہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز مانگی تھی وہ تو نہیں ملی اس سے بہتر کوئی اور چیز مل گئی جس کی طرف دھیان بھی نہیں گیا تھا۔ بسا اوقات بچہ ایک چیز مانگتا ہے وہ نا سمجھ ہے وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے نفع کی چیز ہے یا نقصان کی چیز ہے۔ آپ اس سے بہتر چیز اسے دیدیتے ہیں، تم نے فلاں چیز مانگی تھی جو تمہارے لئے ٹھیک نہیں تھی لہذا یہ لے لو۔ یہ بھی اسی کی درخواست کا نتیجہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگا تھا نہ ملا نہ دوسری چیز ملی البتہ کوئی مصیبت اور بلا اس کے اوپر آنے والی تھی اس کی دعا کی برکت سے وہ بلا ٹل گئی۔ بچہ نے شرارت کی تھی شرارت کی وجہ سے سزا کا مستحق تھا اس نے کسی چیز کی آکر درخواست کی کہ فلاں چیز مجھے لا دیجئے وہ چیز تو لا کے نہیں دی اپنے البتہ سزا کو موقوف کر دیا۔ یہ بھی اسی کی دعا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں رہتے رہتے اس دعا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ مرنے کے بعد جب دہاں حساب کتاب ہو گا اس کو بتلایا جائے گا کہ فلاں دعا کی تھی اس طرح پوری ہو گئی تھی، یہ دعا کی تھی اس طرح پوری ہو گئی تھی، یہ دعا کی تھی اس طرح پوری ہو گئی تھی۔ اور فلاں فلاں دعا کی تھی تم نے اس کا کوئی اثر تم نے نہیں دیکھا اس کا ثواب اجر نتیجہ یہ ہے۔ اس اجر اور نتیجہ کو دیکھ کر اس کو تمنا ہوگی کہ کاش دنیا میں میری کوئی بھی دعا قبول ہوتی۔

اور سب کا بدلہ مجھے یہاں ملتا۔ اس لئے کہ دنیا میں جو کچھ مانگا تھا وہ اپنی حیثیت کے مطابق مانگا تھا اور بہت کم مقدار میں مانگا تھا۔ اور آخرت میں تو کچھ ملتا ہے وہ بہت اونچی چیز ہوتی ہے۔ لہذا دعا کی طرف سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ دعا کے آداب کی رعایت اور شرائط کی رعایت رکھنے کی ضرورت ہے۔ یوں نہ سوچے آدمی کہ جس حال میں بھی جیسے بھی ہو دعا تو کرنی چاہیے۔ نماز بھی خداوند تعالیٰ کی عبادت ہے۔ یہ تو نہیں کہ جس حال میں بھی ہو اسی حال میں پڑھنی چاہیے۔ اس کے بھی شرائط اور آداب ہیں۔ نماز پڑھنی چاہیے لیکن کس طرح پڑھنی چاہیے۔ با وضو پڑھنی چاہیے۔ کوئی شخص بے وضو پڑھ لے تو اس کا کیا علاج ہے۔ ہمارے یہاں ایک بوڑھا اور معذور شخص تھا وہ ایک دفعہ وضو کرتا تھا اور کئی روز تک اسی وضو سے نماز پڑھتا رہتا تھا اس سے کہا تم وضو نہیں کرتے۔ کہنے لگا اللہ سب قبول کر لے گا۔ اس نے یوں جواب دیا، وہ وضو سے معذور نہیں تھا چلتا پھرتا بھی تھا مگر وضو نہیں کرتا۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ نماز پڑھنا بڑی عبادت ہے اللہ کے یہاں بہت بلند درجہ عطا کرنے والی چیز ہے، اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ نماز میں با وضو ہو کپڑے پاک ہوں قبلہ رخ ہو جس وقت نماز پڑھنے کی مانگت ہو اس وقت نہ ہو۔ مثلاً تب سورج نکل رہا ہے، سورج سر پر ہے، سورج ڈوب رہا ہے۔ اس لئے ہر چیز کے واسطے شرائط اور آداب ہوتے ہیں، دعا کے بھی شرائط اور آداب ہیں تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے اس وقت جبکہ شرائط اور آداب کے موافق ہو اور اس کے واسطے جو طریقہ ہے دعا کی مقبولیت کا، کیا کیا اثرات ہوتے ہیں وہ اثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں، کوئی سنا اثر ضرور مرتب ہوتا ہے، حق تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا ہے اس کے اندر بالکل خلاف نہیں۔

يُحِبُّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس دنیا میں رہتے رہتے چھوٹے بڑے گناہ تو ہوتے ہی ہیں۔ حدیث پاک میں موجود ہے كُلُّكُمْ خَطَاؤُنَ وَ خَيْرُ الْخَطَاةِ التَّوَابُونَ۔ تم سارے خطاکار ہو ہر ایک سے خطا سرزد ہوتی ہے۔

کسی سے زیادہ کسی سے کم، کسی سے چھوٹی خطا کسی سے بڑی خطا، کوئی خطا کو جلدی سمجھ جاتا ہے کہ یہ خطا ہے کوئی دیر میں سمجھتا ہے، کوئی معافی کا طریقہ زیادہ جانتا ہے کوئی کم، باقی خطا تھوڑی بہت سب سے ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کُلُّكُمْ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ۔ بہترین خطا دار وہ ہیں جو توبہ کرتے رہیں، زیادہ سے زیادہ توبہ کرتے رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ معصوم تھے، معصوموں کے سردار تھے، معصوموں کے امام تھے لیکن بار بار معافی مانگنے والے تھے، اللہ سے مغفرت طلب کرتے تھے، اللہ سے استغفار پڑھتے تھے۔ ایک ایک دن میں دو دوسو مرتبہ پڑھا کرتے تھے، صبح شام استغفار پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک ایک مجلس میں تترتیر مرتبہ استغفار پڑھتے ہوئے سنا، ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو، اس لئے استغفار سے کسی وقت بھی غافل نہیں رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ غفور ہیں رحیم ہیں۔ بندہ جب استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ معاف کرتے ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے اگر روئے زمین کے برابر بھی تو خطائیں لیکر آئے تو میری ایک مغفرت تیری ساری خطاؤں کو معاف کرنے کے لئے کافی ہے۔ ظاہر ہے جیسی حق تعالیٰ کی شان ہے ایسی ہی مغفرت بھی ان کی بڑی ہے، رحم بھی ان کا بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور ہیں رحیم ہیں، رحم بھی فرمائیں گے۔ ان کی رحمت عام ہے۔ ایک رحمت اسی دنیا میں ہے ایک رحمت آخرت میں ہوگی۔ اس لئے ہمیشہ استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سب کو شامل ہے، چاہے اللہ کا نام لے کوئی چاہے نہ لے۔ وہ سب کو اپنی رحمت کی روزی عطا فرماتا ہے، اپنی رحمت سے اعضائے جسم دیتا ہے، سب کو راحت دیتا ہے، قسم قسم کی نعمتیں دے رکھی ہیں حتیٰ کہ کافروں کو زیادہ دے رکھی ہے اُن پر بھی رحمت ہے اس دنیا میں لیکن ان کے واسطے رحمت آخرت میں نہیں ہوگی۔ آخرت میں جو رحمت ہوگی وہ صرف

اللہ کی عبادت کرنے والوں کو ہوگی۔ اور لوگوں کو نہیں ہوگی۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ رحیم ہیں۔ آگے ارشاد فرمایا قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمائی تھی قَدْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي اس بات کا اثر کم کرنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں دسوسہ ڈالنا چاہا، کہا کہ جس طرح سے یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے نبیوں کو معبود بنا لیا اسی طریقہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چاہتے ہیں کہ ان کو معبود بنا لیا جائے۔ اس لئے یوں کہتے ہیں کہ میرا اتباع کرو یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا اتباع کرو۔ اس نے یہ دسوسہ ڈالنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نازل فرمائی قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ۔ آپ کہہ دیجئے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے وہ بحیثیت رسول فرمایا ہے کہ اللہ کی بات کو لیکر آئے ہیں، اللہ کی مرضیات کو بیان کرتے ہیں ان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہے، حق تعالیٰ نے جس چیز کا پیغام بھیجا ہے وہ پیغام لیکر تمہارے پاس آئے اس کی اتباع کرو، اس کی اطاعت کرو یعنی اپنی ذات محمد بن عبد اللہ کی اطاعت نہیں چاہتے بلکہ وہ تو محمد رسول اللہ کی اطاعت کے لئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کے رسول ہیں اُن کا اتباع کرو۔ اس لئے آیت نازل ہوئی قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ رسول کو اللہ بھیجتے کس واسطے ہیں؟ اسی واسطے تو بھیجتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ تمام رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس واسطے بھیجا ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جائے اور رسول کی اطاعت حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حیثیت سے کہ ایک فرد ہیں یا مکہ کے رہنے والے ہیں یا قبیلہ قریش کے آدمی ہیں اس حیثیت سے اپنی اطاعت نہیں چاہتے بلکہ رسول ہونے کی

حیثیت جو اللہ کا پیغام لیکر آئے اس کی اطاعت کرو، یہ اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا پوری پوری بات واضح ہو جانے کے بعد اگر لوگ منہ پھیر لیں بات نہ مانیں، محبت تام ہو جائے پھر بھی تسلیم نہ کریں نہ رسول کی اطاعت کریں نہ اللہ کا کہنا مانیں، دونوں کی خلاف ورزی کریں تو إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کافرین سے محبت نہیں کرتے۔ اصل منشاء تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو محبوب بنالے۔ اس واسطے ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، اس کے اظہار کے لئے مختلف طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت مطلوب ہے تو میرا اتباع کرو۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے۔ اور جو اطاعت نہیں کرتا رسول کی، اطاعت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی منہ پھیر لیتا ہے نہ اس کو مانتا ہے نہ اس کو مانتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تو کافرین سے محبت نہیں کرتے۔ کوئی شخص چاہے کیسے ہی بھٹوں کو اپنے گھر رکھ لے چاہے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو کتنا ہی بڑا مان لے۔ لیکن وہ اللہ کی اطاعت نہیں کرتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے وہ تو کافر ہیں۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زندگی کو سامنے رکھ کر اس کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری زندگی کا کوئی جز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو۔ ایک بات اور سمجھ لینے کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا اور چیز ہے اور حضور ص کی زندگی میں اس چیز کا پایا نہ جانا اور چیز ہے۔ مثلاً آپ موٹر میں بیٹھ کر سفر کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی موٹر میں بیٹھ کر سفر نہیں کیا۔ اسے یوں نہیں کہا جائے گا حضور ص کی مخالفت ہے۔ آپ ریل اور جہاز میں سفر کرتے ہیں حضور ص نے تو ہوائی جہاز نہیں دیکھا اسے یوں نہیں کہا جائے کہ حضور ص کی مخالفت ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت نامہ دیا ہے تیس برس کی مبارک زندگی میں جگہ جگہ ہر چیز کے متعلق بیان فرما دیا ہے، اُن قواعد پر ناپ کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اُن قواعد کے خلاف کوئی چیز نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس قسم کی سواریوں کے استعمال کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ اور جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا اُس زمانے میں بھی نہیں وہ ایک نئی چیز ایجاد ہے اس نئی چیز کو آپ استعمال کر لیں گے۔ نئے نئے پھل کھائیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کھائے۔ ان کو یوں نہیں کہا جائیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ چاول کھاتے ہیں آپ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر چاول نہیں کھائے، کیا یوں کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ مخالفت وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اُس کو کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاول سے منع نہیں فرمایا نہ قواعد کلیہ سے چاول سے ممانعت ہے۔ ہاں جس چیز کی ممانعت فرمادی اس کو اختیار کرنا یہ مخالفت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب سے منع فرمایا۔ دس آدمیوں پر لعنت فرمائی شراب کی وجہ سے۔ شراب پیئے والا، شراب پلانے والا، شراب بنانے والا، شراب لاد کر لے جانے والا۔ اور خدا جانے کتنے اور کون کون لوگ ہیں جن پر لعنت فرمائی۔ اب اگر کوئی شراب پیتا ہے، بناتا ہے، پلاتا ہے تو وہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا ہو گا۔ لیکن اگر کوئی شخص شراب نہیں پیتا بلکہ شربت پیتا ہے، شربت پینے والے کو یہ نہیں کہیں گے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اس لئے مخالفت وہ ہے جو امور شرعیہ کے خلاف ہو۔ جن چیزوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اس کے خلاف ہو، جو چیزیں قواعد کلیہ سے ممنوع ہیں ان کے خلاف ہو۔ وہ چیز کہلائے گی مخالفت۔ اور اگر یہ نہ ہو وہ مخالفت نہیں۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر غور کریں۔ جو چیزیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہمارے اندر گھسی ہوئی ہیں ان کو نکالتا چاہیے اور جو ہمارا زندگی کا طریقہ سنت کے طریقہ سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے اسی قدر بد ہوتا

چلا جا رہا ہے۔ جیسا جیسا ہمارا طریقہ دور ہے ویسے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ہم کو بُعد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ سنت پر عمل کیا جائے۔ جو اس وقت طریقہ تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیدھی سادی زندگی تھی اس کا اختیار کرنا آج ہمارے لئے دشوار ہو گیا۔ جیسی زندگی وہ گزار رہے تھے ویسی زندگی ہم کہاں گزار سکتے ہیں۔ اتنے کمزور اور ضعیف ہیں اور ایسے ماحول میں پلے ہیں کہ ہمارے لئے تو اس کا تصور کرنا دشوار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر سے حجرہ تک مجھے جانا مشکل تھا۔ غنٹ کھا کر گر پڑتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میرے اوپر کوئی جن کا اثر ہے۔ حالانکہ مجھے بھوک تھی۔ یہ کیفیت تھی ان کی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، کھانا کھا رہے تھے، ایک بے تکلف دوست آگئے، وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ کیا کیفیت تھی کھانے کی؟ سوکھی روٹی کے ٹکڑے تھے، نمک پاس رکھتے تھے۔ سوکھی روٹی کا ٹکڑا دانت میں دبایا، کٹ سے بولا اور ایک نمک کا کنکر رکھ لیا اس طرح سے کھایا، مہان بھی شریک ہو گئے۔ مہان نے کہا اگر سعتر بھی ہوتا تو کتنا مزیدار ہوتا۔ سعتر ایک قسم کی گھاس سمجھ لیجئے۔ جیسے پودہ بیٹھتا ہے اس میں چرچراہن ہوتا ہے۔ اس دوست نے خواہش کی۔ ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، اٹھے۔ بازار گئے۔ اور جا کر سعتر خریدا۔ لا کر رکھ دیا اور دونوں نے کھا لیا کھانا۔ ایک ٹکڑا سوکھی روٹی کا دانت میں دبایا۔ ایک کنکر نمک کا اٹھا کر منہ میں رکھا ایک پتہ سعتر کا رکھ لیا۔ بس کھانا ہو گیا۔ کھانے کے بعد مہان نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَنَعَنَا بِمَا حَضَرَ اللّٰہُ کَا شکر ہے کہ اس نے ماہی پر ہمیں قناعت دی۔ جو کچھ ہمارے پاس موجود تھا ہم نے اس پر قناعت کر لی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، بولے یا اگر ماہی پر قناعت ہوتی تو میرے وضو کا لوٹا گر دی نہ رکھواتا۔ پیسہ پاس موجود نہیں تھا۔ جس لوٹے سے وضو کیا کرتے تھے

وہ لیکر گئے اور ستر خرید کر لائے۔ لوٹا گروی رکھا۔ اگر ماحضر پر قناعت ہوتی تو جناب
 یہی روٹی کا ٹکڑا نمک کے ٹکڑے پر قناعت کر لیتا۔ یہ حال تھا ان حضرات کی زندگی کا۔ ہم
 لوگ پوری زندگی ایسے ماحول میں گزار چکے ہیں، ہم کو اس کا مکلف تو نہیں کیا جاسکتا۔
 البتہ جس قدر تنعم میں پڑ گئے ہیں، عیش پرستی میں پڑ گئے ہیں اس کو کم کرنے کی ضرورت ہے۔
 آہستہ آہستہ کم کرنے کی ضرورت ہے۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ بعد میں آنے والے لوگ خواہ کتنے ہی بڑے درجہ پر
 پہنچ جائیں غوث قطب ابدال نہ جانے کیا کیا ہو جائیں لیکن کسی ایک صحابی کے درجہ
 اور مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ جو زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ کے صحابہ
 کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی اعلیٰ درجہ کی زندگی تھی وہ، لیکن اس زندگی کا سب سے
 مکلف نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ زندگی اختیار نہیں کی، بود و باش اختیار
 نہیں کی، مجاہدانہ زندگی اختیار نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے،
 وہ مخالف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں درخواست ضرور کی جائیگی
 جہاں تک ہو سکے اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ جس دلدل میں زندگی کے پہنچ چکے
 ہیں اس میں سے نکلنے کی ضرورت ہے۔ جتنا اُدھر کو رخ کریں گے اتنا ہی انشاء اللہ تعالیٰ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 خاص کر اپنے گھردالوں کو نصیحت فرمائی تاکید فرمائی کہ دیکھو سکون چاہتے ہو تو مسکینوں
 کے ساتھ میں رہو، مسکینوں سے محبت کرو۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ
 ہو۔ جو غریب ہوں ان کے ساتھ محبت رکھو، ان کے ساتھ تعلق رکھو تو جتنا ان کیساتھ
 میں تعلق زیادہ ہوگا اتنا زیادہ مجھ سے قرب حاصل ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا
 فرمائی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اِلِیْ مُجْتَبً قُوْتًا۔ اے اللہ محمد کے گھردالوں کو روزی دے
 اتنی دے جسے کھا کر کمر سیدھی ہو جائے، زندہ رہ سکیں، زیادہ دے تو۔ پسند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز تھی۔ لہذا اس طرف کو رخ کر کے آہستہ آہستہ چلنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ ادھر سے بالکل آنکھیں بند کر کے رات دن ابو و لعب میں لگے رہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر غور کر لیں، جو چیزیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہمارے اندر گھسی ہوئی ہیں ان کو نکالیں۔ اپنی زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ. رَبَّنَا افْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ اِقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ. رَبَّنَا اتَّقِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ.

برحمتک یا ارحم الراحمین۔

تَبَّتْ بِالْخَيْرِ بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

www.ahlehaq.org

فضیلتِ ذکر

خطبہ ماثورہ

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا
وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَأَصِيْلًا ۝

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ اور صبح و شام اسکی تسبیح و پاکی بیان کرو۔ اس آیت کریمہ کی وجہ سے مشائخ نے صبح و شام کی تسبیحات تجویز کی ہیں۔ صبح کو بھی تسبیح پڑھی جائے شام کو بھی پڑھی جائے اور ذکر کی کثرت کیلئے فرمایا۔

حق تعالیٰ نے جو عباد میں تجویز فرمائی ہیں اپنی اپنی جگہ پر سب نہایت اہم اور ضروری ہیں مثلاً نماز ہے بہت اہم ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قرۃ عین ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا ذریعہ ہے اور اتنا اہتمام نماز کا کہ جب کوئی اہم بات پیش آئی فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی نیت باندھ لیتے۔ ہوا زور کی چل پڑی بارش زور کی ہو گئی۔ بادل آگیا۔ چاند کہن ہو گیا۔ سورج کہن ہو گیا۔ نماز کی نیت باندھ لی۔

مگر جو نمازیں فرض ہیں ان کیلئے اوقات متعین ہیں۔ پانچ وقت

دن رات میں کو نماز فرض ہے اس سے زیادہ فرض نہیں۔ ایک نماز کو دو دفعہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔

روزہ ہے بہت اہم چیز ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہر عبادت کا ثواب اس کے قدر سے ملتا ہے مگر روزہ کا ثواب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں خود دوں گا۔
 اَنَا اجْزِي بِهِ فَاِنَّ الصَّوْمَ لِي۔ یا اَنَا اجْزِي بِهِ فَاِنَّ الصَّوْمَ لِي۔ اسی طرح سے زکوٰۃ ہے بہت اہم چیز ہے مگر وہ سال بھر میں ایک مرتبہ ہے دو مرتبہ نہیں۔

حج ہے عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے زیادہ نہیں۔ لیکن ذکر کے متعلق قرآن پاک میں مذکور ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا۔ ذکر کثیر اس کے لئے نہ پانچ وقت کی تحدید ہے نہ سال بھر میں ایک مہینہ کی ہے۔ نہ عمر بھر میں ایک مرتبہ کی ہے۔ بلکہ کثرت کا حکم ہے ایسا ذکر کثرت سے کر دو کہ اللہ تعالیٰ اسکو کثیر فرمادیں۔
 اسی لئے مشائخ ذکر کثرت سے کراتے تھے۔ پہلے حضرات سو لاکھ کا ذکر روزانہ کراتے تھے۔ سو لاکھ اسم ذات یا کلمہ طیب کہ روزانہ سو لاکھ کسی شخص نے حضرت گنگو بی سے پوچھا تھا ان کے بڑھاپے اور ضعیفی کے زمانہ میں کہ حضرت کتنا پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا پڑھنے کا زمانہ گیا طاقت کہاں ہے! سو لاکھ کا معمول ہے روزانہ۔ بڑھاپے میں ایک ایک سانس میں پانچ پانچ سو مرتبہ کلمہ طیب پڑھا ہے۔ اتنا کثرت سے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت بھی عطا فرماتے ہیں۔ چوبیس ہزار روزانہ سے شروع کرتے سالک کے ذکر کی۔ جو سالک بیعت ہو اور ذکر شروع کرے چوبیس ہزار روزانہ اسکو کرنا ہے۔ بڑھاتے بڑھاتے سو لاکھ تک اور آگے تک پڑھتا تھا۔

اور اسی ذکر کی کثرت کی وجہ سے سانس کے ساتھ ذکر تجویز کیا مشائخ نے۔ کوئی سانس ذکر سے خالی نہ جائے سانس اندر جائے تو ذکر۔ باہر آئے تو ذکر۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو شیطان اسکی ناک کے تھنوں میں رات گزارتا ہے اور ہر سانس کے ساتھ ساتھ اپنا زہر اندر پہونچاتا ہے اس کا زہر کیا ہے؟ خدا سے غفلت، معاصی سے رغبت یہ اس کا زہر ہے۔ ہر سانس کیساتھ اندر پہونچاتا ہے۔ اس لئے مشائخ نے تجویز کیا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ ذکر کیا جائے تاکہ شیطان کے زہر کا اثر نہ پہونچے۔ وہ اپنا اثر زہر بلا پہونچاتا ہے اور ادھر ذکر کی برکت سے وہ اثر زہر بلا ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت اندر پہونچتی ہے شیطان ذکر سے بھاگتا ہے اور گھبراتا ہے۔ انسان کے قلب کے اندر پہونچتا ہے مگر جب قلب کو ذکر پاتا ہے تو پیچھے ہٹتا ہے اور بھاگتا ہے یہی ہے جسے خناس کہتے ہیں۔ خناس کے معنی پیچھے ہٹنا۔ وہ پیچھے ہٹتا ہے۔

ذکر کرتے کرتے انسان کے ہر ایک بال سے ہر ایک رد نگے سے ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ تمام اعضائے جسمانی ہر رگ رگ ذکر کرنے لگتی ہے۔ اور پھر ذکر کا اتنا غلبہ ہو جاتا ہے کہ روحانیت غالب آکر جسمانیت بالکل مضحمل اور مغلوب ہو جاتی ہے اسی وجہ سے انکی روحانیت اتنی قوی ہو جاتی تھی کہ دیر دیر تک انھیں کھانے پینے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور کام سارا جاری رہتا تھا اسواسطے کہ کھانے پینے کی ضرورت جسم کو پیش آتی ہے اور جسم کا حال یہ ہو گیا کہ جسمانیت مغلوب ہو گئی اور روحانیت غالب آگئی۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے (میزان کبریٰ میں شعرانیؒ کی) کہ ایک مہینہ میں ایک مرتبہ قضاے حاجت کیلئے جاتے تھے جب بوڑھے ہو گئے ضعیف ہو گئے تو ایک مہینہ میں دو مرتبہ جانے لگے۔

کوئی شخص عیادت کیلئے آتا ان کے پاس تو ان کی والدہ کہتیں میرے بچے کیلئے دُعا کرو اس کا معذہ کسی کام کا نہیں رہ گیا ہے۔ مہینہ میں دو مرتبہ جانے کی ضرورت پیش آنے لگی ہے۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ جنکی قضاے حاجت کا یہ حال ہے انکی غذا کا کیا حال ہوگا۔ چلے کرتے تھے وہ حضرات تو صرف اتباع سنت کی خاطر ایک گھونٹ وہ بھی ہلکا سا ایک گھونٹ لے لیا کرتے تھے افطار کیلئے باقی روزہ۔ چالیس روز تک روزہ روزہ۔ اور ان کو کوئی دشواری بھی پیش نہیں آتی تھی اس لئے کہ روحانیت غالب گئی ان پر۔ ادراک نہ وہ تو ہی رہے نہ محنتیں رہیں نہ ہمتیں رہیں اس لئے نازل ہوتے ہوتے لوگ بہت تھوڑے سے پر آ گئے۔ تیرہ تسبیح پر قناعت کرنے لگے تیرہ تسبیح پڑھ لو بس وہی کافی ہے لیکن احادیث میں آیا ہے کہ جو دعائیں صبح شام اور مختلف اوقات کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جو شخص انکی پابندی کرتا ہے وہ ،
الَّذَاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالَّذَاكِرَاتِ مِّنْ شَمَارِہٖ ہُوَ جاتا ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کیلئے قدم رکھا دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ اَفْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ مسجد سے باہر نکلے دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ اَفْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِكَ مسجد کے دروازے پر شیاطین کا ہجوم رہتا ہے مسجد سے باہر نکلا انسان شیاطین فوراً اس کو گھیر لیتے ہیں انکے تسلط سے بچنے کیلئے دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَّ جُنُوْدِہٖ بیت الخلاء میں جاتے وقت دروازے پر دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ مِنَ الْخُبٰثٰتِ وَالْخَبَآئِثِ وہاں چونکہ شیاطین اور جنات مجتمع رہتے ہیں اس لئے۔

لیٹے وقت، سوتے وقت، نیند سے بیدار ہوتے وقت، مکان آنے کیلئے، باہر بازار جانے کیلئے، سفر شروع کرتے وقت، سفر سے واپسی کے وقت،

نیا کپڑا پہنتے وقت، غرض یہ کہ جتنے تصورات اور زندگی کے حالات انسان کی زندگی میں آتے ہیں ہر وقت کیلئے کوئی نہ کوئی ذکر تجویز کر دیا تاکہ آدمی اَلَّذَاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَ اَلَّذَاکِرَاتِ میں شامل ہو جائے۔

ذکر کیلئے صرف ایک ہی صورت نہیں کہ آدمی اَلَا اللّٰہُ اِلَّا اللّٰہُ کرتا رہے۔ اللّٰہُ اللّٰہُ کرتا رہے بلکہ اللّٰہ کا نام جس طریقہ پر بھی لیا جائے وہ ذکر ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے وہ بھی ذکر ہے بیٹھ کر دعائیں پڑھتا ہے وہ بھی ذکر ہے تسبیح پڑھتا ہے وہ بھی ذکر ہے ہر چیز ذکر ہے ان تینوں میں سے۔

اس لئے ذکر کی ایک ہی کیفیت نہیں سب کیفیات ہیں اسلئے اللّٰہ تعالیٰ جس کو جس کیفیت کے ساتھ مناسبت پیدا فرمادیں اس کے اد پر اسی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے مناسبت کی وجہ سے۔

سلطان الاذکار پڑھتے ہیں! میں نے پوچھا تھا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب راپوری سے کہ حضرت سلطان الاذکار کیا ہوتا ہے کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا کیوں آپ کو کیسا ضرورت پیش آگئی! میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے خواب دیکھا تھا۔ کہ حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی نے مجھے ایک دعا بتلائی ہے اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ۔ یہ دعا پڑھا کر دو۔ بیدار ہونے کے بعد میں نے انکی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ حضرت میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ فرمانے لگیں خدا جانے کون نیک بی بی ہوگی جو میری صورت میں آکر تم کو بتاگئی۔ اپنی طرف منسوب نہیں کرتیں۔ میں نے عرض کیا کہ اچھا اب بیداری میں بتا دیجئے! کہنے لگیں میں بے حقیقت تم کو بتاؤں تمہارے سامنے حدیث کا ذخیرہ ہے تم مجھے بتاؤ! انھوں نے ایسے طریقہ پر کہا ”میں بے حقیقت کہ میرے بدن میں کو سنا نا نکل گیا انھوں نے حقیقتاً اپنے نزدیک بات صحیح سمجھتے ہوئے کہا تھا محض تکلف نہیں تھا محض نفاق ہی نہیں تھی۔“

ان کی شان یہ تھی کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر عورتوں کو مرید کرنا جائز ہوتا تو میری صفیہ بیعت کیا کرتی مرید کیا کرتی صفیہ نام تھا ان کا اور جس وقت حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد تذکرۃ الرشید تصنیف کیج رہی تھی مولانا عاشق الہی صاحبؒ میرٹھی مؤلف تذکرۃ الرشید اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری دونوں گنگوہ گئے جا کر صاحبزادی صاحبہ سے پوچھا کہ اپنی بیعت کا قصہ سنائیے۔ تو انھوں نے بتلایا کہ مجھے شوق عتبات بیعت ہونے کا مگر بہت نہیں پڑتی تھی ایک روز موقع پا کر میں نے عرض کیا۔ فرمانے لگے بیٹی تجھے اتنی لجاجت کی کیا ضرورت ہے تو تو میری بے فلاں وقت میں ہو جانا اور اس کے بعد مجھے لطائف کی تعلیم دی۔

پھر بہت پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا مجھے کچھ خبر نہیں۔

بار بار پوچھا۔ بس کوئی جواب نہیں دیا تو حضرت سہارنپوریؒ نے جوش میں آ کر فرمایا کہ اچھا اگر آپ نہیں کہتیں تو میں کہہ دوں؟ لطائف سہ جاری!

اس پر بھی وہ خاموش رہیں۔ انکا یہ حال تھا کہ جب وہ گفتگو کرتی تھیں تو بالکل محذوٰنہ طریقہ پر اتنی بات فلاں نے کہی اتنی بات اس کے ساتھ فلاں نے بڑھائی اتنی بات میں نے براہ راست سنی اور اتنی بات فلاں کے واسطے سنی۔ اسی انداز سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔ گفتگو جو کچھ بھی ہو، علمی ہی ہو ضروری نہیں گھریا بھی ہے مگر ہر چیز کو اس کے موافق بیان کیا کرتی تھیں۔

اس روز تو میں خاموش ہو گیا دوسرے روز پھر جا کر عرض کیا کہ کچھ بتا دیجئے؟ پڑھنے کے لئے تو انھوں نے سلطان الاذکار بتلایا پڑھنے کے لئے انھوں نے سمجھانا چاہا میں سمجھ نہیں پایا۔

میں نے حضرت رائے پوریؒ سے دریافت کیا کہ سلطان الاذکار کیا چیز ہے؟ جس دم کے ساتھ انھوں نے فرمایا کہ آپ کو کیا ضرورت پیش آئی؟ میں نے بتلادیا

کہ اس طرح سے حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی صاحبہ نے بتلایا ہے۔

فرمایا کہ نہیں۔ اندیشہ ہے کہ امراض پیدا ہو جائیں گے دماغی امراض پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سلطان الاذکار تو ایسے لوگوں کے لئے ہے جنکی طبیعت کسی طرح چلتی ہی نہیں ہے ذکر کی طرف انکے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سانس میں ایک مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دوسری میں دو مرتبہ۔ تیسری میں تین مرتبہ۔ چوتھی میں چار مرتبہ۔

(۱) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (۲) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

(۳) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

(۴) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
(حضرت اقدس مفتی صاحب نے مع الضرب چار دفعہ تک کر کے بتلایا)

اسی طرح ہر سانس میں ایک مرتبہ بڑھاتے جائیں۔ یہاں تک کہ ایک سانس میں ایک سو بیس دفعہ تک پہنچ جائے۔ یہ تو میں نے زبان سے کہا۔ جس دم میں زبان سے نہیں ہوتا سانس رکا ہوا ہے زبان خاموش ہے اندر ہی اندر ذکر جاری ہے۔ اس طرح سے جس دم کے ساتھ سلطان الاذکار کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ایک بال ذکر ہو جاتا تھا ہر چیز ذکر ہو جاتی۔

وَأَنْ مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ
وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ
ہر چیز تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم
انکی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

دہلی میں دو شخص تھے آپس میں خالہ زاد بھائی۔ ایک حضرت مولانا محمد الیاس صائغ

سے بیعت۔ دوسرا مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب گئے دہلی حضرت مولانا الیاس صاحب کے

یہاں حضرت مولانا الیاس صاحب پر تبلیغ کا غلبہ کا یہ حال تھا کہ نوالہ ہاتھ میں ہے

منہ میں جانے سے پہلے دو دو تین تین منٹ تک تسبیح کی بات کر رہے ہیں تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے جو بیعت تھا مولانا الیاس صاحب سے اس نے اپنے خالہ زاد بھائی سے کہا جو کہ بیعت تھا مولانا عبدالقادر صاحب سے کہ دیکھ میرے پیر میں اور تمہارے پیر میں کیا فرق ہے تمہارے پیر کھانے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ تسبیح میں لگے ہوئے ہیں۔

اسکے بعد جب مولانا عبدالقادر صاحب وہاں سے چلے آئے تو مولانا الیاس صاحب نے اپنے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا ارے تم کیا جانتے ہو مولانا عبدالقادر صاحب کو میں نے اٹکے محسوس کی اینٹوں کو ذکر دیکھا ہے۔ اینٹیں ذکر کرتی ہیں۔

اس پر اس دوسرے شخص نے پہلے شخص کو کہنی مار کر کہا دیکھ! میرے پیر کے متعلق تمہارے پیر کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔

خیر بعضے بعضے لوگ ایسے بولتے ہیں کہ گھوڑا پاں رکھا ہے گھوڑا بھی پاس افلاس کرتا ہے ذکر کی آواز گھوڑے کی سانسوں میں محسوس ہوتی ہے کہ ہاں گھوڑا ذکر کر رہا ہے۔ جب ذکر کیساتھ قلب رنگا جاتا ہے غلبہ ہو جاتا ہے ذکر کا اس پر تو ہر چیز کا ذکر اسے محسوس ہونے لگتا ہے مگر اب ایسے قوی نہیں ہیں کہ ایک سو بیس دفعہ ایک سانس میں کہیں جس دم کیساتھ۔ اندیشہ ہے کہ امراض پیدا ہو جائیں گے اور خدا جانے کیا ہوگا۔

حضرت شاہ ابوسعید صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب بلخ گئے تھے حضرت شاہ نظام الدین صاحب بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو وہاں کیا تھا؟ ایک تجلی انکو محسوس ہوئی پھر غائب ہو گئی۔ پھر چاہتے ہیں کہ وہ تجلی پھر محسوس ہو اپنے اختیار میں تھوڑا ہی ہے۔ ضدی آدمی تھے بیٹھ گئے سانس رد کر کہ جب تک تجلی نہیں ہوگی میں سانس نہیں لوں گا کتنا وقت گزر گیا، ہم نہیں جانتے ڈیڑھ دن گزر گیا سانس نہیں لیتے حتیٰ کہ پسلی

ٹوٹ گئی اس کے بعد تجلی ظاہر ہوئی تب انھوں نے سانس لیا۔
 شیخ کو اطلاع ہوئی کہ پسلی ٹوٹ گئی انھوں نے کوئی دوا تجویز کی وہ ٹھیک ہو گئی۔
 کسی آپریشن کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ تو ذکر کا حال یہ ہوتا ہے اسلئے سانس کے
 ساتھ ذکر کرنا یہ سلسلہ چشتیہ کے لئے لوازم میں سے ہے ہر شخص جو اس لائن میں قدم
 رکھتا ہے وہ سانس کیساتھ ذکر کرتا ہے پاس انفاس کرتا ہے۔

اور پاس انفاس کے علاوہ قلبی ذکر جیسے زبان منہ کے اندر موجود ہے اور اللہ اللہ
 کر رہی ہے اسی طریقہ پر قلب سینہ کے اندر موجود ہے تو تصور کیا جائے وہ اللہ اللہ
 کر رہا ہے زبان سے نہیں قلب کر رہا ہے اللہ اللہ۔ اور پھر اس میں اسکو ایسی
 لذت محسوس ہوتی ہے کہ ساری لذت ایک طرف اور قلبی ذکر کی لذت ایک طرف اس
 قدر اس میں انہماک ہو۔

آج کل کے دور میں تیرہ تسبیح کا ذکر کرنا مشکل ہو گیا شکایت کرتے ہیں کہ سینہ
 میں درد ہو گیا سر میں درد ہو گیا تکلیف ہو گئی۔

ٹھیک ہے قوی کمزور ہیں ضعیف ہیں اتنا نہ کریں زور سے ضرب نہ لگائیں آہستہ
 ضرب لگائیں ورنہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا حال یہ تھا کہ پچاس برس تک
 ذکر حدادی سے قلب کو دھنا ہے۔ ذکر حدادی کیا ہے؟ حداد کہتے ہیں لوہار کو دونوں
 ہاتھوں کی مٹھیاں تشبیک کیساتھ باندھ کر دائیں مونڈھے کی طرف بلند کرے لا الہ کہتے
 ہوئے اور پھر زور سے لا کر بائیں ران پر اسطرح مارے جس طرح زور سے لوہار ہتھوڑا
 مارتا ہے لا الہ کہتے ہوئے قلب کو کوٹنے کیلئے عشاء سے لیکر فجر کی اذان تک
 اور فرماتے تھے کہ اب ذکر خود مجھے مہلت نہیں لینے دیتا بے اختیار ذکر ہوتا ہے۔
 کسی شخص نے حضرت گنگوہیؒ سے پوچھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ
 بزرگ نہیں تھے فرمایا تھے بزرگ تھے۔ پوچھا کہ انکی طرف جو سماع کی نسبت ہے

کیا یہ نسبت صحیح نہیں؟ فرمایا صحیح ہے وہ سنتے تھے؟ ہاں سنتے تھے۔ آپ کیوں نہیں سنتے؟ حضرت گنگوہیؒ نے نہایت فقیہانہ جواب دیا ہے بنیادی جواب۔ انکو کوئی سند پہنچی ہوگی مجھے نہیں پہنچی۔ انکی بزرگی بھی برقرار مگر اتباع جو کیا جائے گا اتباع ایسی چیزوں میں بزرگوں کا نہیں کیا جائے گا۔ انکی بزرگی کا بھی انکار نہیں واقعہ کی بھی تکذیب نہیں اور خود اتباع بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کا حال یہ تھا کہ ان کے یہاں سماع ہو رہا ہے اور سماع بکثرت تو نغمہ ہوتا تھا اللہ کا اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ زیادہ تر تو یہ ہوتا تھا۔

(حضرت اقدس مفتی صاحب نے اللہ ہو کا نغمہ کچھ ایسے انداز میں سنایا کہ جمع پر دہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی)

ان کی مجلس کا یہ حال تھا کہ کچھ شعر پڑھے گئے تو اشعار پر لوگوں کی جان نکل گئی لاشیں اٹھی ہیں انکی مجلس سے۔

ایک شخص نے ایک نعرہ مارا اور اچھلا اور کنویں میں جا کر حضرت شیخ کو اطلاع کی گئی کہ فلاں صاحب کنویں میں گر گئے۔ اچھا کس شعر پر؟ فلاں شعر پر!

فرمایا اچھا وہیں بیٹھ کر پڑھو اس شعر کو وہ اگر صادق ہے اپنے حال میں تو تمہارا محتاج نہیں ہے خود باہر نکلے گا۔ اور اگر کاذب ہے تو ایسے جھوٹے کا ڈوب کر مرنا ہی بہتر ہے۔ وہی شعر پڑھا گیا انھوں نے پھر ایک نعرہ لگایا اور اچھل کر کنویں سے باہر آ گئے یہ کیفیت تھی ان کے یہاں۔

ان کے صاحبزادے پڑھ کر آئے فارغ ہو کر انھوں نے دیکھا کہ ابا کے یہاں سماع ہو رہا ہے انھوں نے مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُخْبِرْهُ بِدَلَالَةٍ کے تحت تغیر بالید شروع کر دی

اب فرماتے ہیں حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست

از کجای آید ایں آوازِ دردِ دست !

تار بھی سوکھا۔ قمی بھی لکڑی کی سوکھی کھال بھی ڈھیڑی کی سوکھی ددست کی آواز کہاں سے آرہی ہے یہ تو سب سوکھے بے جان ہیں۔ ان کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ اسی فضا میں نغمہ گونج گیا اور ہر چیز سے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی۔ تو فرمایا کہ رکن الدین سے کہو انھیں بھی رد کدے۔ تو جب اس سے افادہ ہوا تو صاحب زادے نے کہا کہ ابا! یہ ناجائز ہے! فرمایا اچھا بھائی شریعت کا حکم سر آنکھوں پر اس کے خلاف تھوڑا ہی کرنا ہے۔

ایک روز بیٹے سے فرمایا میرا بدن تو داب دو مکر داب دو۔ مکر دبانے کیلئے بیٹھے دیکھا چار چار انگلی کھال سوکھی ہوئی ہے جیسے درخت کی چھال ہوتی ہے ایسے سوکھ کر بدن سے الگ ہو رہی ہے پوچھا ابا یہ کیا ہے؟ فرمایا وہی ہے سماع سن لیتا تھا گرمی نکل جاتی تھی اب بدن پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے تب بیٹے نے کہا آپ کے لئے جائز ہے۔ یہ تو تادی بالمحرم کے قبیل سے ہے جیسے ناجائز دوا کا استعمال کرنا ہے مرض کے دفعیہ کیلئے اسی طریقہ پر یہ ہے جو آپ کے لئے جائز ہے۔

حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سماع سنتے تھے اس زمانہ کے قاضی ضیاء الدین سنامی محتسب تھے انکو پتہ چلا وہ آئے انھوں نے منع کیا بات چیت ہوئی۔ پھر سلطان جی نے کہا کہ اچھا اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت دلوادوں تو! فرمایا ہمارا منع کرنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تو ہے وہ اجازت دیدیں گے تو ہمارا کیا منہ رہے گا منع کرنے کا۔

فرمایا اچھا بیٹھ جائیے! بیٹھ گئے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے شعر پڑھا

اس شعر پر سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ دجہ آیا وہ اٹھے بے اختیار ۔
 قاضی صاحب نے انکی آستین پکڑ کر بٹھالیا ۔ بیٹھ گئے ۔ پھر دوبارہ اٹھے میں
 دامن پکڑ کر بٹھالیا ۔ بیٹھ گئے ۔ پھر سہ بارہ اٹھے میں تو قاضی صاحب ہاتھ باندھ کر
 کھڑے ہو گئے میں ۔ تھوڑی دیر یہ کیفیت رہی اسکے بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی
 اب سلطان جی نے کہا دیکھا ہم نے کہلوا بھی دیا ۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے
 بھی کہہ دیا ۔ پھر کہا اس شعبہ سے میں باز نہیں آؤں گا تم کو رکنا پڑے گا ۔

اس سے بات تو ختم ہو گئی ۔ قاضی صاحب بیمار ہوئے ۔ سلطان جی کو اطلاع
 ہوئی کہ قاضی صاحب بیمار ہیں تو عیادت کے لئے چلے قاضی صاحب کے دروازہ
 پر آکر دستک دی وہاں سے خادم آیا پوچھا کون ؟ فرمایا عرض کرد نظام الدین زیارت
 کیلئے حاضری کی اجازت چاہتا ہے ۔ قاضی صاحب نے منکر فرمایا کہد میں مرتے
 وقت بدعتی کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کرتا اور بدعتی بھی ایسا جو یوں حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادے ۔ کیا زیارت کرائی کچھ پتہ بھی چلا وہ تو رہی گیا
 درمیان میں ۔

لوگوں نے پوچھا تھا قاضی صاحب سے کہ کیا بات تھی کیا انھوں نے کہلوا دیا
 اور کیا آپ نے کہلوا دیا ۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب پہلی بار اٹھے میں ۔
 سلطان جی تو ان کا قدم نلک سابع پر تھا میری بھی رسائی تھی وہاں تک میں نے
 آستین پکڑ کر بٹھا دیا ۔ دوبارہ اٹھے میں تو ان کا قدم عرش پر تھا وہاں تک بھی
 میری رسائی تھی میں نے دامن پکڑ کر بٹھالیا سہ بارہ اٹھے تو میری نظر سے غائب
 تھے ۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں جو سب
 نبیوں کے سرتاج ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقیر کو مت ستاؤ
 میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے معلوم نہیں کہ جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں یہ خواب ہے

یا خیال ہے اس پر عمل کروں یا جو جاگتے ہوئے سند کیساتھ احادیث پڑھی ہیں ان پر عمل کروں! تو آپ نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ عمل کیلئے تو وہی ہیں۔
اس پر سلطان جی نے فرمایا تھا کہ میں نے کہلوادیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بھی کہہ دیا۔

خیر اب جو یہ گئے ہیں عیادت کیلئے اور قاضی صاحب نے کر دیا انکار ملنے سے کہ میں بدعتی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا مرتے وقت۔ سلطان جی نے فرمایا خادم سے کہ درخواست کرو کہ بدعتی اتنا بے ادب نہیں ہے اپنی بدعت سے تائب ہو کر حاضر ہونا چاہتا ہے عیادت کیلئے۔ قاضی صاحب نے اپنا عمامہ دیدیا خادم کو کہ بچھا دو راستہ میں۔ خادم نے تو بچھا دیا راستہ میں مگر سلطان جی اس عمامہ کو اٹھاتے جاتے تھے اپنے سر پر رکھتے جاتے تھے۔

اس موقع پر بیان فرماتے ہوئے خود حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم شدت گریہ سے بیان جاری نہ رکھ سکے اور حاضرین بھی مرغِ بسل بنے ہوئے تھے دیر تک یہ کیفیت رہی جب حضرت کچھ قابو میں ہوئے ہیں تب آگے فرمایا۔

جب حاضر ہوئے تو قاضی صاحب نے ایک شعر پڑھا۔

آنا نکہ خاک را بنظر کیما کنند

آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

جو لوگ کہ مٹی کو ایک نظر میں کیما بنا دیتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری طرف

بھی ایک نظر ڈال دیں۔ آخری وقت ہے کوچ کر رہے ہیں دنیا سے۔

تو ذکر کثرت کرنے سے اللہ تبارک و تعالیٰ قلب کے اندر ایک قوت پیدا

فرمادیتے ہیں جو بات قلب میں ہوتی ہے وہ ذکر کی برکت سے دوسرے کے

قلب میں اتاری جاسکتی ہے بڑی بہولت سے اتاری جاسکتی ہے۔ پہلے پہلے ام کا ذکر تھا جب اس سے مناسبت قوی ہو جاتی ہے تو پھر مسیحی کی طرف رجوع کرتے ہیں پہلے اللہ اللہ اللہ کرتے ہیں یہ اسم کا ذکر ہے پھر مسیحی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ جس طرح کسی شخص کو کسی سے محبت ہے جو اس کا محبوب ہے اسکی صورت نظروں میں رہتی ہے کبھی فراموش نہیں ہوتی نماز پڑھتا ہے تو بھی اسکی صورت سامنے کھانا کھا رہا ہے تو بھی اسکی صورت سامنے سوتا ہے تو بھی صورت سامنے۔

لیکن مخلوق جو دنیادی مخلوق ہے وہ تو جسمانی چیز ہے لہذا یہاں تو جسم کا تصور ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ جسمیات سے بالاتر ہیں پاک ہیں لہذا وہاں بغیر کسی جسم کے حق تعالیٰ کا تصور ہے۔ کسی چیز کا تصور نہیں وہاں تو ذات محض کا تصور ہے جیسے کہ اسکی شان کے لائق ہے۔ اسکی شان ظاہر ہوتی ہے کہیں رازق ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے کہیں ممیت ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے کہیں معسر ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے کہیں سلطان ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے۔ جہاں جہاں دنیا میں جو کچھ ہے اسکی ذات اسطریقہ پر ظاہر ہوتی ہے وہ خود نظر نہیں آتا جس طرح قلب انسان کے سینہ کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور وہ کسی کو نظر نہیں آتا خود انسان کو نظر نہیں آتا کہ میرا دل کہاں ہے۔ بادشاہ تو پردہ میں ہوتا ہے سراپردہ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں وہاں سے وہ حکم کرتا رہتا ہے قلب حکم کرتا ہے آنکھ کو حکم کرتا ہے ادھر دیکھو فلانی حسینہ کی طرف آنکھ فوراً ادھر نظر کرتی ہے۔ زبان کو حکم کرتا ہے قلب فلاں بات بولو وہ بولتی ہے۔ غرض جتنے کام انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں وہ سب قلب کی ماتحتی میں ہوتے ہیں قلب بادشاہ ہے اسکی لئے حدیث میں آتا ہے إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ

فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ إِلَّا وَجْهَ الْقَلْبِ گوشت کا ایک لو تھڑا ہے جس کے اندر حق تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ رکھا ہوا ہے اس لطیفہ کے ماتحت سارے کام ہوتے ہیں اگر اس قلب کی صلاحیت ہو جائے اصلاح ہو جائے تو تمام جسم کے اندر صلاحیت آجاتی ہے۔ قلب کے اندر اصلاح نہ ہو تو تمام جسم کے اندر خرابی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نظروں کے سامنے نہیں ہیں غائب ہیں۔ جس طرح انسان کے جسم کا بادشاہ قلب ہے وہ نظروں سے غائب ہے مگر حکم اس کا چلتا ہے ہر شخص جانتا ہے اپنے دل کو ہر شخص اس کے تقاضوں کو جانتا ہے پہچانتا ہے بغیر اس کے کہ اسکی صورت دیکھے اسی طریقہ سے حق تعالیٰ ساری کائنات کے بادشاہ ہیں عالم میں حکم سب کا سب حق تعالیٰ کا چلتا ہے انکی صورت نظر نہیں آتی۔ سلم میں ہے سبحانہ ما اعظم شأنہ لا یحد ولا یتصور ولا ینبج ولا یتغیر تعالیٰ عن الجنسی والجمہات جنس اور جمہات سے پاک صاف ہیں صورت سے پاک صاف ہیں مگر حکم ان کا چلتا ہے۔ جیسے قلب نظر نہیں آتا مگر حکم اس کا چلتا ہے۔

یقین ہے اسی طریقہ سے آدمی کے دل میں یقین پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ حکم حق تعالیٰ کا چلتا ہے چاہے انکی صورت نظر نہ آتی ہو یا معلوم نہ ہو کہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں اس سے وہ بالاتر ہیں۔ یہ کہاں اور کیسے یہ تو سب بعد کی پیداوار ہیں انھیں کی پیدا کردہ ہیں۔ کیا ت اور کونیا ت سب اسکی پیدا کردہ ہیں۔ اس کی ذات محیط نہیں ہے وہ سب سے بالاتر ہے۔

تو جس طرح سے ایک دست کو دوسرے دست کا تصور ہر وقت قلب میں رہتا ہے ذہن میں رہتا ہے اس سے کسی وقت غافل نہیں رہتا ہر وقت وہ موجود ہے دفع کرنا چاہتا ہے اس کا تصور تو نہیں دفع کر سکتا۔ تو جس طرح وہ موجود ہے مگر

یہاں یہ بات ہے کہ وہ جسم ہے تو اسکا تصور جسم کے ساتھ ہے اسکی شکل و صورت اسکی چال ڈھال اسکی آواز بھی کان میں آتی ہے۔

آپ کی باتوں کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال
جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

بس کوئی بولتا ہے صدا کانوں میں آپ کی آتی ہے یہ محبت کا کرشمہ ہوتا ہے حق تعالیٰ ان چیزوں سے بالاتر ہیں حق تعالیٰ کا تصور اسکے مسمیٰ کا دھیان قلب کے اندر جمنا چاہیے اس سے کسی وقت میں غفلت نہ ہو۔ ایک دوست دوسرے دوست کو یاد کرتا ہے۔ یہاں کیا ہے بندہ اپنے مالک کو یاد کرتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اسکو یاد کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ بندہ میرا ذکر کرتا ہے کسی مجلس میں تو میں اسکا ذکر کرتا ہوں ایسی مجلس میں جو اس مجلس سے بہتر ہے۔ بندہ مجھکو یاد کرتا ہے اپنے دل میں اور تنہائی میں تو میں اسکو تنہائی میں یاد کرتا ہوں۔

تو سب سے بڑا اثر ذکر کا کیا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا مذکور بن جائے۔ ذکر ہے ذکر کرتے کرتے حق تعالیٰ کا مذکور بن جائے کہ حق تعالیٰ کے یہاں اسکا ذکر ہوتا ہے اسکی کوشش کی ضرورت ہے چاہے تسبیح ہو، قرآن پاک کی تلاوت ہو۔ جو چیز بھی ہو اس تصور اور نشاط کیساتھ ہو کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں حق تعالیٰ میرے قلب کے اندر موجود ہیں۔ میری زبان جو کچھ بول رہی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کے لطف سے بول رہی ہے ان کا لطف نہ ہو تو زبان نہیں بول سکتی یہ تصور جس قدر قائم ہو جائے گا اسی قدر یختگی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ پاک برکت دے آپ حضرات کی مساعی کو کامیاب فرمائے آپ کے ذکر کے اثرات کو قلب کے اندر پیدا فرمائے غفلت کو دور فرمائے معاصی سے نفرت پیدا فرمائے۔ طاعات کی رغبت پیدا فرمائے اور جتنا کچھ گزر چکا ہے رمضان اسکی نادیوں کو معاف فرمائے اور جو باقی ہے اسکی قدر دانی کی توفیق دے۔

www.ahlehaq.org

فوائدِ ذکر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ أَمَّْا بَعْدُ
فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا کَثِیْرًا۔
اس آیت شریفہ میں ایمان والوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر
کثرت سے کرو، اللہ کے ذکر کی کثرت کرو۔ کتنی کثرت کریں اُس کی کچھ حد بیان
نہیں کی گئی۔ اللہ والوں نے اس آیت کو سمجھا اور ذکر کی کثرت کی اتنی کثرت
کی اتنی کثرت کی کہ اس کا شمار کرنا دشوار ہو گیا۔
ایک روایت میں ہے کہ اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ پاگل ہو گیا
دیوانہ ہو گیا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہ نے چار قسم کی قلت بیان فرمائی تھی جو مشائخ
نے بیان کر رکھی ہے۔ ایک قلت کلام، آدمی کم بولے۔ ایک قلت طعام، آدمی کم کھائے۔
ایک قلت منام، آدمی کم سوئے۔ ایک قلت اختلاط مع الانام، لوگوں سے کم ملے۔
یہ چار قسم کی قلتیں تھیں جو اسلاف نے اصلاً ج باطن کیلئے تجویز فرمائی ہیں۔ مشائخ
تو بڑے معالج و مدبر ہیں۔ نفس کی کید سے نفس کی شرارت سے پورے طور پر
واقف اور ماہر ہیں وہ جانتے ہیں کہ نفس کن کن راہ سے آدمی کو غلطی میں مبتلا
کرتا ہے اس لئے ان کی تدبیریں کی، سارے چور دروازے بند کئے۔

پھر فرمایا تھا کہ ہمارے شیخ نے ہماری دھکتی رگ کو پکڑا تھا اور وہ کیا ہے
قلبتِ کلام - فرمایا تھا کہ جتنا جی چاہے کھا لو۔

سونے کے لئے کہہ دیا کہ جتنا جی چاہے سولو۔ ہمارے احباب نے
ماشاء اللہ جو کہ نیند کی طرف سے وسعت تھی اس کو خوب اختیار فرمایا اتنے
سوئے اتنے سوئے ذکر کرنے کے بعد دیکھو تو سب کا سب جمع سو رہا ہے، رات کو
دیکھو تو سارے کا سارا جمع سو رہا ہے۔ اور انھوں نے بھی سمجھ لیا کہ بس دل کی رگ
ہم نے پکڑ لی۔ خوب سولیں گے تو قلبتِ کلام بھی اس سے حاصل ہے، قلبتِ طعام
بھی حاصل ہے، قلبتِ اختلاط مع الانام بھی حاصل ہے۔ ساری چیزیں اس میں
حاصل ہو جائیں گی۔ ایک قلبت کو کثرت سے بدل دیا بقیہ ساری قلبتیں اسی کے
اندر جمع ہو گئیں۔

اسی واسطے مجھے آج عرض کرنا ہے کہ ان کے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں۔
ہر شئی کی ایک حد ہوتی ہے۔ کوئی شئی اپنی حد سے آگے بڑھ جائے تو غلط ہے۔
سونہ بھی ضروریاتِ ستہ میں سے ہے۔ انسان کی صحت کے لئے جو چیزیں اطباء نے
بیان کی ہیں۔ کھانا پینا، سونا، جاگنا، پاخانہ، پیشاب یہ چھ چیزیں صحیح رہیں گی اعتدال
میں رہیں گی تو نظامِ جسمانی درست رہیگا، صحت رہے گی۔ اور اگر کسی ایک چیز میں فرق
آگیا تو نظامِ جسمانی خراب ہو جائے گا۔ اس لئے سونے کی بھی ایک حد ہے۔
بزرگوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ تو بہت کچھ تھے۔ جن حضرات کو ہم نے دیکھا
سنائے کے متعلق بہت کچھ دیکھا۔

سہارنپور مدرسہ مظاہر کے ناظم حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ تھانہ بھون
حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کبھی کبھی حاضر
ہوتے تھے۔ بزرگوں کی مجلس میں جانا بڑے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ وہاں ایک

مرتبہ عرض کیا حضرت بہت دن ہو گئے وعظ سنے ہوئے۔ جی چاہتا ہے وعظ فرمادیں۔ حضرت تھا نوئی نے جواب دیا سترہ راتیں ہو چکیں بالکل نہیں سویا، نیند نہیں آتی دعا کیجئے۔ اُسی روز دعا کی گئی۔ صبح فرمایا کہ آج رات میں پونے دو گھنٹے سو ہی گیا۔ آج وعظ کہدوں تو سترہ راتیں مسلسل گزر جائیں اور نہ سوئیں۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ دیوبند میں ایک مرتبہ عرض کیا گیا۔ تقریر کیلئے کھڑے ہوئے تو فرمایا نیند مجھ کو بہت پریشان کرتی ہے۔ گیارہ راتیں گزر چکیں کہ لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ نیند کا غلبہ ہے تھوڑی دیر سولوں تو اس کے بعد تقریر کروں گا۔ چنانچہ دوپہر کو سوئے پھر ظہر کی نماز کے بعد تقریر کی۔ گیارہ راتیں ایسی گزریں کہ لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔
ایسا حال تھا ان حضرات اکابر رحمہم اللہ کا۔

مولانا اعجاز علی صاحب دیوبند کے مدرس تھے، دلی حکیم جمیل الدین صاحب کے یہاں گئے، نبض دکھلائی پوچھا انھوں نے کیا بات ہے سردی بخار ہے پیٹ میں درد ہے؟ کہا کچھ نہیں۔ پھر بتلایا کہ میں پہلے دو دو ہفتے مسلسل جاگ لیتا تھا، دماغ میں کمزوری معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اب دس روز بھی جاگ لیتا ہوں تو دماغ میں کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ یہ کیفیت ہے خود ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرما رہے تھے۔ نصیحت کر رہے تھے کہ بھائی کچھ کر لو، محنت کر لو محنت کرنے کا زمانہ ہے۔ فرما رہے تھے کہ جس سال میں نے نسائی شریف پڑھی تھی اس سال محنت کی تھی، پانچ مہینے میں وہ کتاب ختم ہوتی تھی تو پانچ مہینے تک کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا، بہن کھانے کو پاس آ بیٹھتی تھی وہ نوالہ بنا کر منہ کے قریب لاتی میں منہ کھول دیتا تھا، نگاہ کتاب پر رہتی تھی

کہ حرج ہوگا، پانچ مہینے کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا۔ فرمایا ایک زمانہ دراز تک یہ کیفیت رہی کہ صبح کی اذان سے جماعت تک کا وقت اتنا وقت سوتا تھا باقی دن میں رات میں بالکل سونے کا موقع نہیں ملا۔ رات دن علمی کام میں لگے رہتے تھے۔ اب ہم لوگ ان کی حرص نہیں کر سکتے انکو قدرت قدسی حاصل اللہ کی طرف سے تھی۔ نصرت کا راستہ وہی ہے اُس راستہ کو اگر پورے طور پر اختیار نہ کر سکیں حرص تو کریں جتنی وسعت ہو اپنے میں اتنا تو اختیار کریں۔

تقلیل طعام والوں کا حال بھی عجیب تھا۔ اسی ذیل میں فرصت کے نہ ملنے پر شیخ کے والد مولانا یحییٰ صاحب کو گنا کھانیکا شوق تھا۔ دس برس تک گنا کھانے کی فرصت نہیں ملی کہ گنا کھا سکیں۔ ہر وقت پڑھانا لکھانا ہی ہوتا تھا۔ امام اوزاعیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ شیخ عبد الوہاب شعرانی کی میزان کبریٰ میں ہے کہ ایک مہینہ میں ایک مرتبہ بیت الخلاء جاتے قضاے حاجت کیلئے۔ مگر جب ضعیف ہو گئے بیمار ہو گئے تو جو شخص ان کی عبادت کے لئے آتا تو ان کی والدہ کہا کرتیں میرے بچے کے واسطے دعا کرو معدہ کسی کام کا نہیں رہا۔ مہینہ بھر میں دو مرتبہ بیت الخلاء جانے لگا ہے۔ اس تعجب کے ساتھ افسوس کے ساتھ کہا کہ دو مرتبہ جانے لگا ہے مہینہ بھر میں دعا کرو میرے بچے کے لئے۔ ان حضرات کے یہ حالات ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جس بندہ کو جس کام کے لئے متعین فرماتے ہیں اس کے لئے آسانی دیدیتے ہیں کل میسر لما خلق لک، جو شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا وہ کام اس شخص کے لئے آسان کر دیا گیا۔

لیکن انسانوں کو ضرورت ہے حق تعالیٰ سے مانگنے کی۔ دینے کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ بندہ جو کچھ مانگے حق تعالیٰ کی طرف سے

انکار نہیں اس لئے کہ یہاں ہم سب مانگنے کی واسطے آئے ہوئے ہیں۔ خاص کر یہ مبارک مہینہ مانگنے کا ہے، خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمانے کا ہے۔ جس چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے قابو کی نہیں۔ حق تعالیٰ سے مانگیں حق تعالیٰ قابو کی بھی بنادیں اُسے کچھ تعب نہیں اسی کی ذات عالی ہے۔ اس کے یہاں کوئی چیز مشکل نہیں۔ ہمارے لئے مشکل ہے لیکن جس چیز کو وہ آسان فرمادیں وہ ہمارے لئے بھی آسان ہے۔

اس طریقہ پر سونا کہ رات میں سارا کا سارا مجمع سوتا رہے یہ مناسب طریقہ نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے نعمات آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا یا ہوتے ہیں۔ اگر سب کے سب سو رہے ہوں تو واپس چلے جاؤں اگر۔ اس لئے اس کا اہتمام چاہئے کہ کچھ جاگنے والے بھی رہیں۔ کوئی اپنی طرف سے لینے والا ہو، کوئی اپنے ساتھی کی طرف سے لے لینے والا ہو۔ اسی لئے اگر ہم سب مل کر آپس میں جس کو جس سے مناسبت ہو ایک ترتیب قائم کر لیں کہ رات کے تین حصے بنالیں اور چھ آدمی مثلاً مقرر ہو جائیں آپس آپس کے۔ ان چھ میں سے دو آدمی تو رات کے ایک پہلے پہر تنہائی حصے میں جاگیں گے، دوسوئے رہیں گے۔ اور جب ان کے سونے کا وقت آوے تو دوا دو جاگادیں۔ رات کے درمیانی حصے میں ایک تنہائی حصے میں وہ دو جاگ لیا کریں، رات کے تین حصے میں تیسرے دو جاگ لیا کریں۔ اس طریقہ پر ہو جائے تو اچھا ہے۔

سہارنپور میں جب اعتکاف ہوتا تھا تو وہاں مدرسہ کی مسجد بھری ہوتی تھی ہمیں نہیں معلوم کہ ساری رات ایسی گزری ہو کہ کوئی جاگ نہ رہا ہو بلکہ دو آدمی یہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام دو آدمی وہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام دو آدمی وہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام کئی کئی

قرآن شریف اسی طریقہ پر ختم کرتے تھے ایک امام پڑھ رہا ہے دو مقتدی کھڑے سن رہے ہیں اس طریقہ سے یہ صورت تھی اور اب بھی بعض مدارس میں یہ دستور ہے۔ ایک دفعہ دیکھا ایک جگہ پر جانا ہوا کہ مغرب کی نماز پڑھی اور جناب طلبہ کھڑے ہو گئے۔ ایک امام ایک مقتدی ایک امام دو مقتدی وہ کھڑا سنا رہا ہے اس نے آدھا پارہ سنایا پھر یہ پیچھے آگیا اس دوسرے نے سنایا اس طریقہ پر رات بھر گزر جائے۔ وہ سونا بالکل ٹھیک ہے برحق ہے لیکن اتنا سونا کہ جس سے جو اصل کام ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔ یہ تو نہیں چاہئے۔ اللہ کی طرف سے تو اعلانات ہوں کہ کوئی مانگنے والا ہے اور یہاں سارے سو رہے ہوں یہ تو بڑی محرومی کی بات ہے ہمارے واسطے یہاں جگانے میں کچھ مشکل نہیں۔ گھڑی ہر ایک کے پاس موجود، دوسرے جاگنے والے موجود۔ جگا سکتے ہیں اور جتنی ضروریات ہیں وہ ساری ضروریات موجود۔ سارے اسباب کے ہوتے ہوئے بھی آدمی کام نہ کرے غفلت میں گزارے یہ بڑی کوتاہی کی بات ہے۔ اس واسطے درخواست یہ ہے کہ رات میں آپس میں مل ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ وہ سمجھوتہ کر لیں کہ بھئی ایک سنائے، ایک آدمی اس کے پیچھے سنتا رہے۔ دوسرا سنائے اس کے پیچھے اور سنتا رہے۔ اس طریقہ پر ماشاء اللہ حافظوں کی کمی نہیں حافظ بھی کثرت سے یہاں موجود ہیں، سننے والے بھی ہیں۔ اس لئے جتنی نیند باقی رہ جائے اس کی کسر دن میں پوری کر لیں۔ رات کا سارا حصہ اس طرح سونے میں گزر جائے یہ بہت غیر مناسب چیز ہے۔

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تین آدمی جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں ان میں سے ایک شخص کو بتایا کہ لوگ سفر میں جا رہے ہیں چلتے چلتے کسی منزل میں ٹھہرے تھک تھکا گئے تھے، سب سے زیادہ محبوب

چیز ان کو نیند تھی، سر تکیہ پر رکھ دیا اور لیٹ گئے۔ اُن میں سے ایک شخص اٹھا اور تنہائی میں آکر میرے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا اور میری خوشامد کرنے لگا مجھ سے مانگنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کا بہت محبوب ہے وہ شخص جبکہ سب کے سونے کا وقت ہو، نیند کا غلبہ ہو ایسے وقت میں آدمی نیند کو قربان کر کے حق تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو جائے کتنا اچھا ہے۔

جو چیز محبوب ہوتی ہے اس کی خاطر نیند قربان کی ہی جاتی ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آج ہوائی جہاز سے آپ کے فلاں بزرگ تشریف لارہے ہیں، آپ کے والد محترم آرہے ہیں۔ چاہے کتنی ہی نیند کا غلبہ ہو لیکن نیند آہی نہیں سکتی اس واسطے کہ ان کو لینے جانا ہے، اُن کو لانا ہے جا کر، اُن کا اعزاز کرنا ہے ان کی محبت کا تقاضا ہے۔ اسی واسطے جتنے جھنجھٹ ہوں گے سارے ہی برداشت کریں گے۔ روشنی کا بھی انتظام کریں گے، سواری کا بھی انتظام کریں گے، جگانے کا بھی انتظام کریں گے غرض یہ نہیں ہو گا کہ کسی بات کی وجہ سے جانے سو رک جائیں بارش ہو رہی ہو تو اس کا بھی انتظام کریں گے، سردی ہو رہی ہو تو اس کا بھی انتظام کریں گے۔ غرض جانا ہے یہ طے کر لیا کہ جانا ہے جب جانا ہے تو راستے میں جتنی رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرنا ہے۔ اگر کسی کو جانا ہی نہ ہو اس کے قلب میں وہ جذبہ ہی نہ ہو، وہ داعیہ ہی نہ ہو وہ ذرا سی باتوں پر بہانہ کر بیگا ارے صاحب سوتے رہ گئے۔ گاڑی نہیں ملی تھی، گاڑی میں پٹرول نہیں تھا، ڈرائیور نہیں تھا، روشنی کا انتظام نہیں تھا، ارے بارش ہو رہی تھی کون جلے۔ غرض یہ کہ ایک ایک چیز کو آڑ سمجھ کر بہانہ کر کے وہ تورک جائیگا اس لئے کہ اس کے قلب میں وہ داعیہ نہیں۔ جس کے قلب کے اندر وہ داعیہ ہے اس کی کیفیت اور ہوتی ہے، اس کی شان دوسری ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم لوگ یہاں جمع

ہوئے ہیں، اسی داعیہ کی خاطر سب کے سب ایک جگہ پر جمع ہیں، ایک مقصد لیکر آئے ہیں۔ سب کے قلوب ایک نقطہ پر ہیں کہ اللہ کو راضی کرنا ہے، گناہوں کو معاف کرنا ہے، اس مہینہ کو وصول کرنا ہے۔ اس نقطہ میں سارے کے سارے متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور دنیا بھر کے مسائل میں اختلاف ہو لیکن یہاں پر یہ جماعت اسی ایک نقطہ پر اس طرح جمع ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں جب کسی کا اختلاف نہیں تو پھر اس کو وصول کرنا چاہئے، اس کو اختیار کرنا چاہئے اس میں کوتاہی نہیں چلے۔ ذکر کے فوائد مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم نے بہت بیان فرمائے تھے۔ صحبت شیخ معیت صالح ترا صالح کند بڑی چیز ہے۔ ایک چیز میں بعض آدمی کو شبہ پیدا ہوا۔ مثال طواف کرنا افضل ہے یا اپنے بزرگ کی صحبت کو اختیار کرنا افضل ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا افضل ہے یا اپنے بزرگ کی صحبت کو اختیار کرنا افضل ہے۔ شیطان اور نفس دونوں مل کر اس قسم کے شبہات طبیعتوں میں ڈالتے ہیں۔ یہ شبہ بھی ڈالا گیا۔ اس لئے بات کو صاف صاف طور پر سمجھ لینا۔ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر طواف کرنا کیا طریقہ معلوم ہوگا۔ طواف کا ادب معلوم ہوگا۔ یہ معلوم ہوگا کہ طواف کس طرح حق تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے۔ طواف آدمی کرے غلط طریقہ پر کرے آداب کی رعایت کرتے ہوئے نہ کرے گھومنے کو تو گھوم ہی رہا ہے۔ مشرکین بھی گھوما کرتے تھے بیت اللہ کے گرد اگر دلیکن حقیقی ثواب تو جمعی میسر ہوگا جب قلب میں نیت صحیح ہو اور داعیہ صحیح ہو اور آداب و شرائط کے مطابق طواف ہو۔ یہ چیز بزرگوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کی خدمت میں بیٹھ کر بہت ملتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے ورنہ نفس تو ہر طرح کی شرارتوں پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں ان کے ایک مرید نے خط لکھا کہ آپ نے مجھے ذکر کی تعلیم فرمائی تھی لیکن یہ نہیں بتایا کہ ذکر زد کیا کروں یا آہستہ۔ میں آہستہ کرتا ہوں اس واسطے کہ اگر زور سے کروں گا تو کسی کی نیند میں خلل پڑے گا۔ دوسرے کی نیند میں خلل ڈالنا تو مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگ دیکھ لیں گے تو معکوم ہو جائے گا کہ میں ذکر کر رہا ہوں، لوگ مجھے بزرگ سمجھیں گے ان کے بزرگ سمجھنے کی وجہ سے میری طبیعت کے اندر خود بڑائی پیدا ہوگی۔ ریاکاری پیدا ہوگی۔ اسی وجہ سے میں نے تجویز یہ کیا کہ آہستہ ذکر کروں اس پر ان بزرگ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جی نہیں بات دوسری ہے آپ ذکر زور سے کیا کریں اور گھر میں جہاں سب سوتے ہیں وہاں نہ کیا کریں بلکہ مسجد میں جا کر کیا کریں جہاں کوئی نہیں سوتے والا۔ اتنے چلا کر نہ کریں کہ پڑوس والے جاگ جائیں، پریشان ہوں اور یہ بات کہ لوگ بزرگ سمجھیں گے۔ بزرگ کیا سمجھیں گے۔ جب سرگھما کے وہاں بیٹھ کر ذکر کرو گے تو سمجھیں گے پاگل ہے، دماغ خراب ہو رہا ہے۔ شیطان نے نفس نے یہ کہا کہ لوگ بزرگ نہ سمجھنے لگیں اس واسطے آہستہ ذکر کیا کرو۔ بات دوسری ہے بات یہ ہے کہ بزرگ سمجھنے کی ترتیب بتائی ہے کہ جب گردن جھکا کے آنکھیں بند کر کے بیٹھیں گے تو اس وقت لوگوں کو معلوم ہو گا کہ ہمیں گے حضرت ملا علی کی سیر کر رہے ہیں۔ عرش اعظم کے قریب ہیں یہاں نہیں ہیں۔ ایسی ترکیب بتائی جس سے لوگ بزرگ سمجھیں اور یہ کہہ کر بتائی کہ لوگ بزرگ نہ سمجھیں۔ یہ نفس کا کھیل ہے اور اس میں چھپی ہوئی بات ایک اور ہے وہ یہ کہ انسان کے نفس میں کمزوری ہے، اس سے پابندی ہو نا دشوار ہے۔ جب آپ زور سے ذکر کریں گے دوچار آدمیوں کو تو معلوم ہو ہی جائے گا۔ آپ رات میں اٹھتے ہی تہجد پڑھتے ہیں،

ذکر کرتے ہیں پھر کسی روز ایسا ہوگا کہ نیند کا غلبہ ہوگا آپ نہیں اٹھ پاویں گے تو سب کو پتہ چل جائیگا کہ آج یہ اٹھے نہیں۔ تو اس کے اوپر پردہ ڈالنے کے لئے نفس نے یہ ترکیب بتائی ہے کہ اپنی اس کمزوری کا کسی کو احساس نہ ہونے پائے خاموشی کے ساتھ میں ذکر کیا کرو یہ ترکیب بتائی ہے نفس نے۔ اس لئے نفس ایسی ایسی ترکیبیں بتاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر کی ترکیبیں بتاتا ہے ہمدردی کی ترکیب بتلا رہا ہے۔ لیکن اس کے اندر اتنی خرابی موجود ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص نے خط لکھا کہ میں نفلیں مسجد میں نہیں پڑھتا۔ لوگوں کے سامنے نفلیں پڑھنے میں شرم معلوم ہوتی ہے جیسا معلوم ہوتی ہے اسی لئے گھر جا کے تنہائی میں پڑھتا ہوں، سنتیں بھی وہیں پڑھتا ہوں۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہیں آپ مسجد میں ہی پڑھا کریں۔ رہا حیار کا معاملہ تو حیار و شرم کے واسطے اور کام بہتر ہے ہیں ان میں شرم حیار کر لیا کرنا۔ جو حیار و شرم کے کام ہیں ان میں شرم و حیا کیوں نہیں آتی۔ اور جو کام نہیں ہیں ان میں شرم و حیا کی جاتی ہے تو خیر کا یہ نکتہ بتلا کر روکنا چاہتا ہے نفس اور شیطان بس دونوں سمجھوتہ کئے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کی پوری نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں کی صحبت میں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے، نفس کا جو کید ہوتا ہے وہ صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں دو بزرگ ایک سفر میں ایک ساتھ گئے۔ ان میں ایک بڑے تھے ایک چھوٹے کسی شخص نے اس سفر میں اس چھوٹے بزرگ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا۔ ایک گھڑی ان کے یہاں ہدیہ قبول کر نیکی لئے شرائط تھے

تاہم استثنیٰ بھی تھا۔ انھوں نے قبول کر لی۔ دوسرے بزرگ جو بڑے تھے انھوں نے دوسرے وقت تنہائی میں ان سے کہا کہ اگر یہ گھڑی آپ کی ضرورت سے زائد ہو تو فروخت کر دیں گے مجھ کو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں خریدنے کی کیا بات ہے میں بھی آپ کا گھڑی بھی آپ کی۔ یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے قبول کر لیجئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اب قبول کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ کہ میں خریدنے کی ابتداء کر چکا۔ اگر بغیر میرے خریدنے کے ابتداء کے آپ پیش کرتے تو ایک بات تھی لیکن جو میں خود ابتداء کر چکا ہوں خریدنے کی ہدیہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بخور سے رد و قدح کے بعد مع ہو گئی خرید لی۔ یہ تنہائی میں معاملہ ہوا لیکن بات تو چھپی نہیں رہتی۔ وہ پہنچ گئی اس شخص کے پاس بھی جس نے ہدیہ پیش کیا تھا۔ اس کے دل میں گرانی ہوئی اس خیال سے کہ میں چاہتا تو روپے پیش کر سکتا تھا۔ میرا مقصود تو یہ تھا کہ میری گھڑی حضرت کے استعمال میں رہے گی ان کی گرانی کی خبر ان بزرگوں کو پہنچ گئی۔ بزرگ لوگوں کی رعایت و دلداری بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بڑے بزرگ سے کہا حضرت وہ گھڑی واپس کر دیں۔ انھوں نے فرمایا کیوں کیا خیار شرط تھا اس میں۔ کہا میں خیار شرط تو نہیں تھا۔ جنھوں نے مجھے ہدیہ میں دی تھی ان کو گرانی ہوئی۔ فرمایا کیا یہ شرط تھی کہ اگر ان کو گرانی ہوگی تو واپس کر دی جائے گی۔ یہ شرط بھی نہیں تھی، مجھے حق تو کوئی نہیں رہا۔ قانون کی رو سے شرعی قواعد مسائل کے اعتبار سے۔ اب آپ اقالہ فرمالیں۔ انھوں نے فرمایا اقالہ کے لئے طرفین کی رضامندی شرط ہے۔ میں تو رضامند نہیں اقالہ پر۔ انھوں نے فرمایا آپ میرے بڑے ہیں، میں چھوٹا ہوں۔ بڑے چھوٹوں کی خاطر رضامند ہو جایا کرتے ہیں۔ کوئی بات نہیں اسمیں تو آپ کی شفقتیں مجھ پر بہت ہیں۔ رضامند ہو جائیے!

انہوں نے فرمایا ہاں میں ضرور رضا مند ہو جاتا مگر بات یہ کہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں خریدی۔ مجھے میرے ایک دوست نے کہا کہ میرے لئے گھڑی خرید لینا۔ میں نے ان کی نیت سے خریدی۔ انہوں نے مجھے وکیل بنایا تھا خریدنے کا۔ چونکہ میں انکی نیت سے خرید چکا ہوں اسلئے یہ گھڑی ان کی ملکیت ہو گئی۔ اور وکیل کے جو تصرفات ہوتے ہیں وہ اعطاء مؤکل کے حد تک محدود رہتے ہیں لہذا انہوں نے مجھے وکیل بنایا تھا خریدنے کا۔ میں نے خرید لیا۔ اب میری وکالت ختم ہو گئی۔ انہوں نے وکیل نہیں بنایا تھا بیچنے کا کہ میں یہ گھڑی بیچ بھی دوں۔ بات ختم ہو گئی۔

دوسرے وقت مجلس میں جب وہ صاحب بھی آئے جنہوں نے گھڑی ہدیہ میں پیش کی تھی تو ان بزرگ نے وہ گھڑی ان بزرگ کو دیدی جن سے خریدی تھی۔ جب دینے لگے تو انہوں نے کہا کہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ یہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں لیا بلکہ یہ گھڑی دوسرے کیلئے خریدی ہے۔ اس نے وکیل بنایا تھا۔ وکیل کے تصرفات تو اعطاء مؤکل کے حد تک رہتے ہیں۔ بس تصرف میرا ختم ہو گیا اب مجھے تو بیچنے کا اختیار نہیں رہا۔ تو فرمایا بات بالکل اس طرح سے ہے۔ لیکن مجھے تو قہر ہے میں ان سے کہوں گا۔ میں نے آپ کے لئے گھڑی خریدی تھی پھر میں نے اپنی ایک مصلحت سے فروخت کر دی۔ واپس کر دی تو ان کو گرانی نہیں ہو گی۔

یہ ذرا سی بات پیش آئی ان حضرات کی اس سے کتنے مسائل تازے ہوتے ہیں۔ جو شخص ہدیہ پیش کرے اس کے لئے کیا چیز لحاظ رکھنی چاہئے، آداب میں سے کیا ہے۔ جب ہدیہ پیش کر دیا انہوں نے قبول کر لیا نیت پوری ہو گئی۔ اب یہ کہ اس میں کوئی تصرف ایسا کریں کہ ان کی گرانی کا باعث بنے یہ نہیں

پوچھ سکتے۔ جب گھڑی ان کو دیدی انکی ہو گئی۔ چاہے خود رکھیں چاہے کسی کو ہدیہ کریں چاہے فروخت، جو بھی چاہے کریں۔ یہ بہت غلط طریقہ ہے کہ آدمی یوں سوچے کہ جس طور پر میں چاہتا ہوں اس طور پر اس کو استعمال کریں۔ ان کے تصرفات کو محدود کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ بھی ہدیہ کرنے میں کس قدر رعایت و ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے، خیر خواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بسا اوقات آدمی ہدیہ پیش کرتا ہے اخلاص کے ساتھ۔ اگر اس کو رد کر دیا جائے تو بڑی ناگواری ہوتی ہے۔ اسلئے اس ناگواری و گرانی سے بچانا بھی معلوم ہو گیا ہے اور یہ بھی ہدیہ دینے والے کی ہمدردی و خیر خواہی کی جانیے۔ اس کے لئے بھی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مسائل شرعیہ میں کسی کی ہمدردی و خیر خواہی کی وجہ سے تصرف و تغیر جائز نہیں۔ جو مسئلہ شرعی طور پر ہے وہ اپنی جگہ پر ہے کسی کی خاطر اس میں تغیر و تبدل کر لیا جائے اس کی اجازت نہیں۔ غرض یہ کہ بزرگوں کی مجلس میں بیٹھ کر ذرا سی بات میں بہت سارے مسائل واضح ہوتے ہیں اور دل روشن ہوتا چلا جاتا ہے، رحم کا دروازہ کھل جاتا ہے، حقائق و مسائل سامنے آ جاتے ہیں اسی لئے صحبت میں بڑے فائدے ہیں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایک خط میں موجود ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اہل علم کسی غیر عالم کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں تو ان کا منشاء یہ نہیں ہوتا ہے کہ غیر عالم سے مسائل دریافت کریں بلکہ منشاء یہ ہوتا ہے کہ جو مسائل کتابوں میں پڑھے تھے اپنے اساتذہ سے، نفس کی سستی و جہ سے ان پر عمل نہیں ہوتا تھا صاحب نسبت بزرگ سے بیعت ہوتے ہیں تاکہ ان کی نسبت کی برکت سے ان مسائل پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ یہ ہوتا ہے آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے جس وقت میں بیعت کی سنا ہے حاجی امداد اللہ صاحبؒ

سے پہلے ہی شرط کر لی تھی کہ مجھ سے تہجد نہیں پڑھا جانے کا۔ اس وقت حاجی صاحبؒ نے فرمایا آپ ہی آپ شرط کر رہے ہو کس نے کہا ہے تم سے پڑھنے کو بیعت فرمالیا رات کو لیٹتے وقت چار پانی برابر میں رکھی اپنے۔ جہاں حضرت حاجی صاحبؒ کی چار پانی وہیں حضرت گنگوہیؒ کی چار پانی۔ اپنے وقت پر حضرت حاجی صاحبؒ اپنے معمولات کیلئے اٹھے، پس حضرت گنگوہیؒ کی بھی آنکھ کھلی، ذرا کروٹ بدلی لیکن نہیں لیٹا گیا، کھڑے ہوئے اور اٹھ کر انھوں نے بھی تہجد پڑھا۔

اور جو ذکر کہ تلقین کیا تھا وہ ذکر کیا اور ساری عمر اخیر تک نہ تہجد چھوٹا نہ ذکر چھوٹا وہ صحبت کی برکت ہے۔ گو بزرگوں کی صحبت کا فیض بڑا عجیب ہوتا ہے مگر آدمی ذرا خالی الذہن ہو کر بیٹھے، اپنے پیالے کو قلب کے پیالے کو خالی کر کے بیٹھے تو اس کے اندر کچھ آئیگا۔ مگر قلب کے اندر بہت کچھ ادھر ادھر کا بھرا ہوا ہے تو اس کے اندر آنے کی چیز ہی نہیں۔ بزرگوں کی صحبت سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی سنتوں کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی زندگی گزارنی چاہئے کیا طریقہ ہے زندگی گزارنیکا۔ ایک ایک چیز میں کتنی احتیاط برتتے تھے۔ انھیں حضرات کے اخلاص کی برکت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا فیض عالم میں پہنچایا، بہت دور دور تک پہنچایا۔

بات دوسری طرف چل پڑی میں نے آیت تو پڑھی تھی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

حدیث شریف میں ہے ذُكِرُوا اللَّهَ حَقًّا يَقُولُوا مَجْنُونٌ اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ مجنون ہے۔ بزرگوں نے مشائخ نے ذکر کے واسطے فرمایا ہے کہ ذکر کی چند صورتیں

ہیں۔ ایک ذکر قلبی ہوتا ہے، ایک لسانی ہوتا ہے۔ ذکر قلبی تفکر کرنا اللہ کی مخلوقات میں اللہ کی صفات میں اللہ کے افعال میں۔ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کام کئے کس طرح سے اپنے احسانات عطا فرمائے، اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجا، اس کا تصور کرے آدمی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کتنی بلند ہے، سارے پیغمبروں کے سردار سب سے زیادہ مقرب۔ ان کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجا۔ انھوں نے تشریف لا کر کیا کیا کام فرمائے، کیسی کیسی ہدایت دی، کیسی کیسی نصیحتیں کیں امت کی خاطر کیسی کیسی مشقتیں برداشت کی اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھے، کئے کئے روز کے فاقے گزاریے، روزے رکھے پتھر کھائے، گالیاں کھائیں، طعنہ سنے، آپ گھر سے نکالے گئے۔ یہ ساری باتیں اللہ کی خاطر امت کو راحت پہنچانے کے لئے، امت کو ہدایت دینے کیلئے حضورؐ نے برداشت کیں۔ آدمی غور کرے۔

آسمان کی خلقت میں زمین کی خلقت میں آدمی غور کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کیسے کیسے درخت پیدا فرمائے، غلے پیدا فرمائے جانور پیدا فرمائے ہماری نفع رسانی کے لئے آخر ہمیں بھی تو کسی کام کے لئے پیدا کیا ہو گا۔ اس لئے جتنا اس میں غور کرے گا ایک قسم کا ذکر ہے۔

پھر بعض اکابر نے قلب کے ذکر کی بھی صورتیں بتلائی ہیں، اس کے لئے اذکار بہت سارے تجویز فرمائے۔ ذکر قلبی، ذکر رومی، ذکر سری اور خدا جلنے کیا کیا آج کل بہت کم بتلاتے ہیں کہ کتابوں میں موجود ہے، بزرگوں کی تربیت میں موجود ہے مگر آج کل بہت کم بتلاتے ہیں۔ طبائع میں صلاحیتیں کم ہیں قلوب برداشت نہیں کر پاتے ذرا سی خبر ہوتی ہے دوسری حالتیں منکشف ہونی شروع ہوتی ہیں، خدا جانے کیا کیا خیالات آتے ہیں اپنے قلب میں قائم

کرنا شروع کر دیتے ہیں، بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بہت ہی سیدھا راستہ سنت کا راستہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اتباع سنت کا راستہ بہت سہل و آسان راستہ ہے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا۔ جو حضرات علم دین میں مشغول ہیں وہ خدا کے ذکر میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم ہے حدیث کی تعلیم ہے۔ ہفتہ کی تعلیم ہے یہ سب ذکر ہیں۔ نیت صحیح چاہئے۔ نیت اگر درست ہے انشاء اللہ یہ ساری چیزیں بہت کارآمد ہیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے بڑھ کر کون سی چیز بڑی ہوگی بارگاہِ خداوندی میں تقرب حاصل کرنے کی۔

جو حضرات وہاں بیٹھ کر تعلیم دے رہے ہیں، اللہ کے ذکر میں لگے ہوئے ہیں نیت درست ہے، اخلاص کے ساتھ ہے۔ روپے کھانے کے لئے، اپنے اعزاز کے واسطے، لوگوں کے درمیان اقتدار پیدا کرنے کے لئے نہیں، کسی کا مقابلہ کرنے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنیکی خاطر ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم دیں بہت اعلیٰ مقام ہے، اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ حدیث شریف پڑھانے والے کا بھی یہی حال ہے۔

امام بخاریؒ نے سولہ برس میں بخاری شریف تصنیف فرمائی کتاب مکمل کی وضو کرتے مسواک کرتے دو رکعت نفل پڑھتے تب ایک حدیث کا ٹکڑا لکھتے تھے۔ اس طریقہ پر سولہ برس گزرے کس قدر پاکیزہ زندگی تھی۔ تقریباً نوے ہزار لوگوں نے امام بخاریؒ سے براہ راست اس بخاری شریف کی سند حاصل کی۔ امام بخاریؒ کا انتقال ہو گیا۔ عمر تو زیادہ نہیں ہوئی جیسی عامۃ عمر ہوتی ہے ساٹھ ستر کے درمیان ایسی عمر ان کی بھی لیکن اس کا یہ کارنامہ جاری ہے تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے، مشرق و مغرب میں یہ بخاری شریف لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

اس کی شرح لکھتے ہیں ترجمہ لکھتے ہیں حواشی لکھتے ہیں مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں ان کا کتنا بڑا فیض ہے یہ بھی ذکر ہے۔ حدیث کی شرح لکھنا بھی ذکر ہے، قرآن پاک کی تفسیر لکھنا یہ بھی ذکر ہے، دینی مسائل کا بیان کرنا بھی ذکر ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کو ذکر کی لائن سے خالی کیا جاسکے یہ سب ذکر ہیں۔ اور بھی مخصوص طور پر جو مشائخ نے ذکر تجویز کیا ہے وہ بھی ذکر ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَبَسْمُوحًا بُكْرَةً وَأَصِيلًا** صبح و شام کی جو تسبیحات متعین کی جاتی ہیں کہ اتنی صبح کو اتنی شام کو پڑھی جائے یہ بھی ذکر ہے۔ یہ قرآن پاک کی اسی آیت میں موجود ہے **بَسْمُوحًا بُكْرَةً وَأَصِيلًا** صبح شام پڑھا کرو تسبیحات اللہ کی، ذکر کی کثرت کرو۔

پھر مشائخ جو ذکر تجویز فرماتے ہیں آج کل بھی بعضے بعضے ایسے حضرات موجود ہیں جن کا معمول سو الاکھ روزانہ کا ذکر کا ہے جبکہ وہ دوسرے کام بھی کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ سب کولات مار کر بچوں کو چھوڑ کر کاروبار سے الگ ہو کر کونے میں بیٹھ گئے تسبیح لیکر۔ ایسا نہیں دوسری چیزیں بھی ان کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ سو الاکھ کا ذکر کے معمول رکھنیوالے آج بھی ایسے موجود ہیں، اللہ کے فضل و کرم سے۔

رائپور میں حضرت رائپوریؒ سو الاکھ تک ذکر کو بتایا کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ قومی کمزور ہیں دماغوں میں تحمل نہیں تو کم کیا۔ یہاں تک کہ چوبیس ہزار تک لا کر رک دیا کہ چوبیس ہزار کر لیا کریں۔ اس واسطے کہ ایک گھنٹے میں متوسط درجہ کا آدمی ایک ہزار سانس لیتا ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ چوبیس ہزار ہو جائے تو گو یا کہ ہر سانس کا ایک ذکر ہو جائے گا۔ یہ اس میں مصلحت ہے۔ بعض کا اس سے بھی کم رکھا۔ اسی واسطے یہاں ذکر کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

صحبت کے فیض حاصل کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں اس لئے غفلت نہیں ہونی چاہئے۔
قرآن پاک کی تلاوت کیلئے جمع ہوئے ہیں غفلت نہیں ہونی چاہئے۔ ہو سکتا ہے
کہ بعض آدمی اپنے مکان پر بھی اتنا ہی کرلیویں جتنا یہاں کرتے ہیں۔ میں اس کا
انکار نہیں کرتا۔ اللہ کے بہت بندے ہیں ایسے۔ اپنے مکان پر بھی اتنا ہی کام
کر لیتے ہیں جتنا یہاں کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ اجتماعی کیفیت ہے۔ یہ عجیب شان
رکھتی ہے۔ اجتماعی کیفیت اور صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

میوات جانا ہوا تھا حضرت مولانا الیاسؒ کے ساتھ بہت گرم علاقہ پہاڑی
مکان پتھر ہر طرف سے گرمی ہی گرمی پہنچے تو ایک پتھر کے مکان میں ٹھہرایا جس
میں دو چار پائیاں تھیں بڑی بڑی۔ ایک چار پائی پر تو مولانا کو لٹا دیا، ایک
چار پائی پر ہم تین آدمی تھے۔ چاہا کہ ذرا دیر آنکھ لگ جائے۔ گرمی سخت تھی، ذرا ہی
دیر لیٹے تھے کہ جماعت کی جماعت آگئی میواتیوں کی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسٹھ کرانکو
روک دوں ذرا ٹھہر جائیں مگر مولانا مجھ سے پہلے اسٹھ گئے اور فرمایا ہرگز نہیں
مت روکو، مت روکو، مت روکو۔ آئے دو، آئے دو۔ سب سے مصافحہ کیا پھر
فرمایا کہ جب تک طالب کے دل میں اتنی قدر پیدا نہ ہو کہ وہ تمہاری جوتیوں کی چائیاں
سمجھنے لگیں اس وقت تک سختی کرنیکا حق نہیں۔ تو طالب کے دل میں پہلے
قدر تو پیدا کرو تب غصہ ہونا، روٹھنا بھی صحیح ہوگا۔ غرض عرض کرنیکا خلاصہ
یہی ہے کہ اس صحبت کو غنیمت سمجھئے۔ قرآن پاک کی تلاوت یقیناً بہت اعلیٰ
درجہ کی چیز ہے اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن تلاوت کی جو حالات ہوں گی
وہ صحبت میں بیٹھ کے ہوں گی۔ اگر صحبت میسر نہیں تو تلاوت میں تلاوت نہیں۔
تلاوت کے آداب نہیں۔ تلاوت کے وہ آداب جن سے قلب میں رقت پیدا
ہو وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ جب اللہ کی آیتیں

تلاوت کی جاتی ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اضافہ ہوتا ہے اثرات خاصہ مرتب ہوتے ہیں وہ صحبت سے ہوگا۔

لہذا تلاوت جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس میں تلاوت پیدا کرنے کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔ پہلے صحبت کو حاصل کر دو پھر تلاوت کی قدر معلوم ہوگی، استحضار معلوم ہوگا۔ قرآن پاک اس طرح تلاوت کرنا چاہئے کہ اللہ کو سنا رہے ہیں۔ یہ تصور کہاں سے پیدا ہوں یہ تصور صحبت سے پیدا ہوگا، بزرگوں کی خدمت میں بیٹھنے سے پیدا ہوگا۔ جو چیز اللہ نے ان کے قلب میں پیدا فرمائی ہے وہ حاصل ہوگی تب یہ بات حاصل ہوگی۔

طواف کرنا ایسی چیز نہیں کہ اس کی توہین کی جائے یا گھٹیا درجہ کا بتایا جائے لیکن طواف کی جولڈت ہے، طواف کی جو کیفیت ہے اصل وہ پیدا ہوتی ہے بزرگوں کی صحبت سے۔ ایک طواف وہ تھا جو زمانہ شرک میں کیا کرتے تھے مشرک بھی کرتے تھے۔ اور ایک طواف وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر ایمان لا کر اس کے بعد طواف کیا۔ دونوں طواف میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اسلئے بات یہ ہے کہ جتنی عبادتیں ہیں جو نوافل عبادتیں ہیں وہ نوافل عبادتیں اپنی تنہائی میں بھی کی جاسکتی ہیں، اپنے مکان پر بھی کی جاسکتی ہیں اور دن بھر بڑا ہی ہے یہاں پر کرنے کیلئے تلاوت کرتے رہتے، صبح سے دوپہر تک کرتے رہتے، ذکر کرتے رہتے، ظہر کے بعد سے لیکر عصر تک لیکن مقصد یہ ہے کہ جو عصر کے بعد کا وقت ہے مجلس کا مغرب کے بعد کا وقت ہے مجلس کا عشاء کے بعد کا جو وقت ہے مجلس کا وہ مجلس میں گزارنا چاہئے۔

اس واسطے میرے محترم بزرگوں دستو! ہرگز ہرگز مولانا عبدالحلیم صاحب کا مقصد یہ نہیں کہ تلاوت بلکہ درجہ کی چیز ہے یا طواف بلکہ درجہ کی چیز ہے۔ نہیں

بہت اونچے درجہ کی چیز ہے تلاوت بھی طواف بھی۔ ساری عبادتیں اللہ کا ایک دفعہ نام لینا بہت بڑی چیز ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجلس کا جو جو وقت ہے وہ وہاں مجلس میں گھرارہنا چاہئے وہاں سے تلاوت پیدا ہوگی، قلب کے اندر رقت پیدا ہوگی، اللہ کی یاد پیدا ہوگی۔ قرآن پاک کا احترام و ادب معلوم ہوگا۔ اور پھر اس کے بعد جو کچھ پڑھیں گے اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہوگی۔ لہذا قرآن پاک اور تلاوت اور دوسری عبادات کو اپنی زندگی میں لانے کیلئے صحبت کی ضرورت ہے کہ جس چیز کا جو مقام ہے وہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اہل مقام کے پاس آدمی پہنچتا ہے انکی صحبت سے متاثر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یہ دولت عطا فرماتے ہیں۔ بڑی قدر کے ساتھ یہ پڑھتا ہے، ایک ایک حرف سمجھ کر سنہل کر، کیا بات ہے حضرت عمرؓ قرآن پاک ہاتھ میں لے کر اس کو بوسہ دیتے ہیں اور فرمایا اُخذ من سورۃ (یہ میرے رب کا فرمان نامہ ہے، میرے رب کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ کوئی شخص کسی کا محبوب ہو اور وہاں سے خط بھیجے اس کے پاس، کیسے اس کو آنکھوں سے لگاتا ہے، پیار کرتا ہے، دل سے لگاتا ہے کہ میرے محبوب کا خط ہے حقیقت میں جب جذبہ قلب کے اندر آیا، محبت قلب کے اندر آئی تو حق تعالیٰ اس کی برکت سے یہ چیزیں عطا فرماتے ہیں۔ اس جذبہ اور داعیہ کو پیدا کرنے کے واسطے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو جس طرح سے اخبار یا رسالہ جاری ہوتا ہے ماہانہ اسی طریقہ پر قرآن پاک کا بھی ایک ایک پارہ جاری کر دیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ صحابہ کرام عامۃ عربی جانتے تھے مادری زبان انکی عربی تھی۔

قرآن پاک میں قیام کا بھی ذکر ہے قُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ رکوع کا بھی ذکر ہے۔ سجدہ کا بھی ذکر ہے۔ قرأت کا بھی ذکر ہے، نماز کے احکام کا ذکر موجود ہے۔

اور عربی زبان میں ہے اور صحابہؓ کی زبان عربی ہے لیکن قرآن کریم میں یہ نہیں کہا گیا حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ نماز اُس طرح پڑھو جس طرح قرآن میں آئی بلکہ یہ فرمایا صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ جِسْ طَرَحٍ تَمْ جَحْہ كُو نماز پڑھتے دیکھو اُس طرح سے پڑھو۔ قرآن پاک میں سارے فرائض و ارکان موجود ہونیکے باوجود حکم جو کیا گیا وہ یہ کیا گیا کہ حضورؐ کو جس طرح سے دیکھتے ہو اس طرح سے نماز پڑھو۔ اس لئے مجلس کا اثر حادی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک کتاب دی، ایک نور دیا کتاب میں تمام احکام موجود اور نور ہے اس کو سمجھنے کیلئے۔ حضورؐ نے وہ کتاب بھی صحابہ کرامؓ کے حوالہ فرمائی اور وہ نور بھی حوالہ فرمایا۔ اس نور کی روشنی میں پڑھ کر مسئلہ کا حق ادا کریں تاکہ اس کا حق صحیح ادا ہو سکے۔ اسی طریقہ پر صحابہ کرامؓ نے پھر بعد والوں کو کتاب بھی دی اور نور بھی دیا۔ اس کے بعد اسی طریقہ پر یہ سلسلہ چلتا آ رہا ہے وہ سنت نورانی موجود ہے۔ وہ نور اگر موجود ہے تو قرآن پاک ذریعہ ہدایت ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ کے مطلب کو آدمی صحیح سمجھے گا۔ اور اگر وہ نور موجود نہیں تو گمراہ ہوگا۔ خالی عربی الفاظ تو ابو جہل بھی جانتا تھا، ابولہب بھی جانتا تھا۔ سب جانتے تھے لیکن وہ ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکے اس واسطے کہ ان کے پاس وہ نور نہیں تھا۔ آج بھی غیر مسلم لوگ بھی قرآن پاک بھی جانتے ہیں حدیث پاک بھی جانتے ہیں کتابیں بھی تصنیف کرتے ہیں، مقصد آتا ہے پڑھتے بھی ہیں مقابلہ میں لیکن وہ نور ان کے پاس موجود نہیں لہذا اس کا جو فیض تھا وہ فیض نہیں ہے۔ پس اس نور کو بھی حاصل کرنیکی ضرورت ہے قرآن پاک کیلئے مدارس اللہ کے فضل و کرم سے موجود ہیں۔ الفاظ کو دباں سے پڑھا جاتا ہے معانی کو علماء سے سیکھا جاتا ہے، تفسیر کو علماء سے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی جو اہل باطن ہیں اہل نسبت ہیں ان سے نور کو بھی

حاصل کرنا تم کو بھی ضروری ہے۔ وہ نور آئیگا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایک حرت کی نورانیت محسوس ہوگی، ایک ایک چیز کے اندر معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کتنی حکمتیں رکھ رکھی ہیں۔ اس واسطے قرآن پاک کی تلاوت ہے، نوافل میں طوان ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کے متعلق کوئی بے ادبی کا لفظ کہا جاسکے یا اس کو ہلکا سمجھا جاسکے بالکل نہیں قلوب کو صاف کر لیا جائے۔ ہرگز ہرگز کسی چیز کا ہلکا ہونا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کو تولیے مقام پر لانے کے لئے، اس کا حق ادا کرنے کے لئے بتایا گیا کہ فیض صحبت حاصل کرو اور جو ضرورت صحبت موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے عطا فرما رکھا ہے تو اس صحبت کو کام میں لاؤ، اس کو حاصل کرو اور اس کے مطابق قرآن پاک کو پڑھو اس کو سمجھ کر انشاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ آمین۔ اچھا بھی میں نے جو عرض کیا رات کے جاگنے کا اہتمام کریں گے۔

دعا فرمائیجے: **وَلَقَدْ صَلَّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی ذٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا**
مُحَمَّدٍ وَبَارَكْتَ وَسَلَّمْتَ، تَمِينَ مَرَّتَبَةً۔

اے پاک پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ اے پاک پروردگار اپنے نبی اکرم کی سنتوں کی قدر دانی نصیب فرما، اے پاک پروردگار اس مبارک مہینہ کو اس مہمان کو ہمارے لئے باعثِ رحمت بنا، اے پاک پروردگار اس کو ہمارے لئے گواہی دینے والا بنا، اے پاک پروردگار اس کو ہمارے خلاف محبت نہ بنا، اے پاک پروردگار راتوں کو ہمیں قیام کی توفیق عطا فرما، نوافل کی توفیق عطا فرما، یا اللہ صحبت کے فوائد سے بھرپور فوائد عطا فرما، اے پاک پروردگار آپس میں سب کے میل محبت پیٹا فرما، اے پاک پروردگار جسمانی روحانی امراض سے سب کو صحت عطا فرما، اے اللہ تیرا نام لینے تیرا نام سیکھنے کے لئے جتنے

آئے ہیں کسی کو بھی محسوس نہ فرما، اے اللہ تیری رحمت کا ذریعہ ناپیدا کنار ہے
اے پاک پروردگار سب پر زیادہ رحمت فرما۔

رَبَّنَا اَوْفِرْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ وَقْرًا وَمُنَاوِلَةً عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ رَبَّنَا
وَتَنَاخِلْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ اَحْسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰی
عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ قَلِيلًا كَثِيرًا كَثِيرًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ



www.ahlehaq.org

محبّت رسول ﷺ
ﷺ

www.ahlehaq.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِكَ الْكَرِیْمِ

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى
 أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ
 حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کی ایک خاص علامت
 بتائی ہے۔ کوئی شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک اس کے
 دل میں میری محبت ماں باپ سے، اولاد سے، تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔
 یہ حضورؐ نے مومن ہونے کی نشانی بتائی۔ آدمی مومن کہلانے کا حقدار کب ہے
 جب اس کے دل میں حضورؐ کی اتنی محبت ہو کہ ماں باپ کی ہو نہ اولاد کی ہو نہ کسی اور
 کی۔ سب سے زیادہ محبت حضورؐ کی ہونی چاہئے تب جا کر آدمی مومن کہلانا مستحق
 ہوگا۔ محبت کا دعویٰ کر لینا بہت آسان ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ
 حضورؐ سے محبت ہے لیکن اس کے واسطے کچھ آثار کچھ علامات بھی ہونی چاہئیں۔ اس
 کا دعویٰ بغیر دلیل کے قابل تسلیم نہیں ہوتا اس کے لئے کچھ دلیل ہونی چاہئے
 ثبوت ہونا چاہئے تب جا کر دعویٰ قابل تسلیم ہوتا ہے ورنہ کوئی شخص کسی سے
 کہہ دے کہ فلاں شخص کے ذمہ میرے دولاکھ روپے ہیں۔ اتنا کہنے سے وہ مجرم ہو جائیگا۔

اس کے دو لاکھ روپے دلانے ضروری ہو جائیں گے، ثبوت پیش کرنا ہو گا۔ تو آدمی تو آدمی کر لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے سب سے زیادہ محبت ہے لیکن اس کیلئے دلیل اور ثبوت کیا ہے۔ اس کی دلیل، ثبوت شواہد صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ملیں گے۔ جس وقت میں مقابلہ ہو جائے ایک کی محبت ادھر کو پکارتی ہے دوسرے کی محبت ادھر کو پکارتی ہے تو آدمی کس کی آواز پر جاتا ہے کس کی پکار پر جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی محبت زیادہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا باپ رسول کے خلاف بات پیش کرتا ہے تو باپ کی مانتا ہے یا حضورؐ کی مانتا ہے اس سے اندازہ ہو جائیگا کس کی محبت زیادہ ہے۔ ایک بات حضورؐ فرماتے ہیں دوسری بات بیٹا کہتا ہے دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مخالف بیٹے کی مانتا ہے یا حضورؐ کی مانتا ہے۔ آدمی خود اپنے جی میں فیصلہ کر لے پتہ چل جائیگا کس کی محبت زیادہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب یہ حدیث سنی تو انھوں نے عرض کیا حضور میرے دل میں آپ سب سے زیادہ محبوب ہیں اپنی جان کے سوا۔ حضورؐ نے فرمایا ابھی کسر ہے۔ فرمایا حضورؐ! اپنی جان سے بھی زیادہ آپ عزیز ہیں۔ ان چیزوں کے شواہد کثرت سے ملیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نبی اکرمؐ سے محبت فرماتے تھے۔ اس محبت کے ثبوت کے لئے ان کی زندگی کو تلاش کیجئے۔ روایات میں آتا ہے کہ غزوہ بدر میں جو سب سے پہلا جہاد ہے پہلی لڑائی ہے۔ مشرکین بہت بڑا جتھہ لے کر مکہ مکرمہ سے آئے۔ نبی اکرمؐ کے لئے وہاں ایک چھپر ڈال دیا گیا تھا کہ جس شخص کو ضرورت ہو کوئی بات کہنے کی اس چھپر میں آکر بات کہہ لیا کرے اور پہرہ پر حضرت ابو بکر صدیقؓ متعین کئے گئے تھے حضورؐ کی حفاظت کے لئے۔ کوئی شخص پچاس

قدم کے فاصلہ پر سے بھی نظر اٹھا کر دیکھتا تھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ شیعری طرح دوڑتے تلوار لیکر کوئی مخالف اگر ادھر دیکھتا۔ اللہ نے کیا حضور کو فسخ ہوئی۔ سارا قصہ سنا مقصود نہیں ہے تھوڑی سی بات اس میں سے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جو بیٹے تھے ان کا نام ہے عبدالرحمن بن ابی بکر، وہ بھی اس وقت مشرکین کے ساتھ تھے، ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک وقت ایسا آیا اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق دی مسلمان ہو گئے تو ایک دفعہ کہنے لگے کہ آبا بدر کی لڑائی میں میرے نشانہ پر آگئے تھے آپ چاہتے تو میں مار دیتا لیکن باپ ہونے کا لحاظ کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تو نے باپ ہونے کا خیال کر لیا۔ اگر تو میرے نشانہ پر آ جاتا تو میں بیٹا ہونے کا خیال نہ کرتا فوراً قتل کر دیتا۔ حضور کے مقابلہ میں تلوار لیکر آتے ہو۔ مقابلہ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی محبت غالب ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا کون کلمہ ناشائستہ کہہ دیا بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے فوراً پتھر مارا ہے باپ کے۔ اس کے بعد آ کر بنی اکرم سے کہا کہ حضور! میرے باپ کی زبان سے ایسا لفظ نکلا۔ میں نے اس کے جواب میں پتھر مارا۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو ایمان کی دولت عطا فرمائے، باپ اس وقت تک مسلمان نہیں تھے۔ حضور نے دعا کی۔ اللہ نے کیا وہ مومن ہو گئے۔ ادھر بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اس بات پر مقتضی تھا پتھر مارے ادھر باپ کا خیال بھی لازم تھا۔ باپ کا حق اس طرح ادا کیا کہ حضور سے دعا کرانا ان کے ایمان کے واسطے، ہدایت کے واسطے۔ حضور کے حق کو ادا کیا۔

حضرت ام حبیبہؓ بنی اکرم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین کے والد تھے ابوسفیان۔ ابوسفیان اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، سخت مخالف تھے اسلام کے۔

وہ اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے یہاں گئے، پہلے سے وہاں بستر بچھا ہوا تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا باپ کو آتا دیکھ کر۔ انھوں نے سوال کیا کہ بیٹی دنیا بھر کا دستور ہے کہ باپ جب جاتا ہے بیٹی کے گھر تو بیٹی اس کے اعزاز میں لا کر بستر بچھایا کرتی ہے۔ تم نے مجھے ہوئے بستر کو لپیٹ دیا یہ کیا طریقہ ہے۔ جواب دیا کہ یہ بستر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ تم ناپاک ہو اس قابل نہیں کہ حضورؐ کے بستر مبارک پر بیٹھ سکو ان کے قلب میں حضورؐ کی محبت زیادہ تھی۔

ساری زندگی محض اس طرح گزری آپ کی۔ حضورؐ سے جس کو محبت اس سے ان کو محبت، حضورؐ سے جن کو عداوت اس سے ان کو عداوت چاہے باپ ہو بیٹا ہو۔ بھائی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت عذراہ بدر میں ستر مشرکین قید کر کے لائے گئے حضورؐ نے مشورہ فرمایا کہ ان کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔ حضرت ابو بکرؓ کا ایک مشورہ تھا، حضرت عمرؓ کا ایک اور مشورہ تھا۔ حضرت عمرؓ کا مشورہ یہ تھا کہ ہم لوگوں میں سے جس جس کا رشتہ دار قید ہو کر آیا ہے اُس کو اس کے حوالہ کیا جائے تاکہ وہ اس کی گردن مارے۔ میرے حوالہ میرے فلاں رشتہ دار کو کیا جائے، فلاں شخص کے حوالہ فلاں اس کے رشتہ دار کو کیا جائے۔ یہ رشتہ داری کا تعلق مانع نہ ہونا چاہئے۔ ان سے انتقام لیں گے۔ یہ وہ ہیں جو نبی اکرمؐ کے مقابلہ میں آئے ہیں نبی اکرمؐ کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لہذا یہ ستمی قتل ہیں۔ اب ان کو قتل کیا جائے۔ یہ جذبہ ایمان تھا اسی جذبہ ایمان کی وجہ سے ان کا مقام بہت بلند تھا۔

حضرت حبیبؓ ایک صحابی ہیں، ان کو پھانسی دی گئی سولی پہ چڑھایا گیا۔ واقعہ ان کا یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک جماعت کو بھیج اپنے کام کے لئے۔ یہ لوگ رات میں چلتے تھے دن میں تھے۔ کیوں کہ آس پاس مشرکین مخالفین تھے۔

ایک جگہ پر ان حضرات نے ناشتہ کیا، ناشتہ کیا تھا وہی مدنی کھجوریں، کھجوریں کھائیں گٹھلیاں پھینک دیں چلے گئے۔ گٹھلیاں ان مخالفین کے ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے کہا اُدھو یہ تو مدینہ طیبہ کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں، کون لوگ ہیں یہاں کسی نے کہا ہاں میں نے بھی کچھ آدمیوں کو اُدھر جاتے ہوئے دیکھا تھا، ڈھونڈنے بھالنے میں لگ گئے۔ ڈھونڈ لیا ایک مقام پر پہنچ کر ان کو گھیر لیا۔ یہ حضرات ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے اور مشرکین تیر کمان لے ہوئے ٹیلہ کے گرد اگر دکھڑے ہو گئے اور ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ پہلے کہا اچھا تم لوگ نیچے اتر آؤ۔ ٹیلہ سے ہم تم کو امن دیتے ہیں قتل نہیں کریں گے۔ اس دستہ کے جو امیر تھے انھوں نے کہا بھی میں تو مشرک کی پناہ میں جاتا نہیں صاف صاف بات جس کا جو جی چاہے کرے۔ چنانچہ ان لوگوں نے تیر سے مارا یہاں تک کہ ان میں سے سات آدمی شہید ہو گئے۔ تین رہ گئے ان تین نے کہا وہ تین نیچے اتر آئے یعنی ان کی امن میں پناہ میں آ گئے۔ ان لوگوں نے کیا کیا اپنی کمان میں کھول کر ان کو باندھنا چاہا، ان میں سے ایک صاحب بولے بھی جب ہم تمہارے امن میں پناہ میں آ گئے اب باندھنے کے کیا معنی۔ کیوں باندھتے ہو؟ لہذا میں بھی تمہارے پناہ میں نہیں رہتا۔ جہاں یہ سات گئے میں بھی وہیں جاتا ہوں۔ انھیں نیچے ڈالا گھسیٹا، کھینچا۔ یہاں تک کہ ان کو بھی قتل کیا۔ دورہ گئے۔ دو میں سے ایک کو لے جا کر مشرکین کے ایک گردہ کے ہاتھ بچپدا دوسرے کو دوسری جگہ بچپدا۔ چونکہ ان میں سے ایک خبیث تھے ان کو مکہ والوں کے ہاتھ بچپدا۔ انھوں نے غزوہ بدر میں مشرکین میں سے کسی بڑے کو قتل کیا تھا۔ اس کے وارث کے ہاتھ بچپدا۔ انھوں نے کہا اچھا مجھے تو موقع ملا۔ کچھ روز تک ان کو باندھے رکھا۔ وہاں جب ان کے قتل کا وقت آیا ان کو حرم سے باہر لائے۔ مشرکین بھی حرم کا احترام کیا کرتے تھے۔ باہر لا کر پھانسی دی ان کو اور پر لٹکا کر کیا

کیا تم کو یہ بات گوارا ہے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے محمدؐ کو تمہاری جگہ پھانسی دیدی جائے۔
 انہوں نے کہا تم ایسی بات کہتے ہو واللہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ اپنے مقام پر
 جہاں حضورؐ موجود ہوں وہاں آپ کے پیر پر کاٹنا بھی چھو جائے۔ یہ بھی گوارا نہیں
 چہ جائیکہ میری جان کے بدلہ حضورؐ کو پھانسی۔ اپنی جان سے زیادہ حضورؐ کی محبت
 ان کے دلوں میں تھی۔

ایک مشرکہ بیان کرتی ہے کہ میں نے دیکھا یہی خبیث رنجیر میں بندھے ہوئے
 ہیں لیکن انگور کا ایک بہت بڑا گچھا ان کے پاس رکھا ہے وہ کھا رہے ہیں اس میں سے
 حالانکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں کہیں انگور نہیں تھا۔ کوئی ان کو لا کر دینے والا نہیں۔ آج
 اللہ نے ان کو عطا فرمادیا۔ استرہ ہاتھ میں لئے ہوئی تھی اس کا ایک چھوٹا بچہ جو ابھی
 پیروں پر کھڑا ہو کر چل نہیں پاتا تھا انہوں نے اٹھا کر اس کو گود میں بیٹھا لیا وہ عورت
 گھبرا گئی کہ میرا بچہ ان کے گود میں چلا گیا سنا ہے کہ ان کے لئے قتل تجویز ہے۔ استرہ
 ان کے ہاتھ میں تھا۔ کیا پتہ میرے بچہ کو بھی ختم کر دیں ان کے ساتھ۔ اس کے چہرہ
 کی پریشانی کو دیکھ کر یہ تاڑ گئے۔ پوچھا بچہ کے لئے تم پریشان ہو۔ نہیں ایسا سنہر
 بچہ نے کیا قصور کیا کہ میں اسے مار دوں گا۔

بہر حال جب ان کو قتل کیا جانے لگا تھا ان سے پوچھا گیا کوئی آخری حشر ہے
 تمہاری؟ کہا ہاں دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ نماز کے ساتھ اتنا گہرا تعلق تھا۔
 آخر میں کیا کیا کہ دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت۔ چنانچہ دو رکعت نماز پڑھی پھر فرمایا
 جی اور بھی چاہتا ہے نماز پڑھنے کو مگر مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم لوگ کہو گے کہ موت کے
 ڈر سے نمازیں پڑھنے لگا ہے۔ دعا کی کہ اے اللہ اپنے حبیب پاکؐ کو خبر پہنچا دیجو کہ
 ہمارا یہاں یہ حال گذرا۔ چنانچہ حضورؐ کو وحی کے ذریعہ اطلاع ہو گئی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا
 کہ کوئی ہے جو حبیب کی خبر لائے۔ اس پر ایک صحابیؓ نے کہا اچھی بات میں لاتا ہوں۔

یہ آئے ہیں آکر کے تلاش کیا دیکھا کہ کھجور کے تنے میں لٹکا رکھا ہے، ستر آدمی آس پاس پہرے پر موجود ہیں۔ یہ ٹھہر گئے، دوڑی، پھر رات کے وقت کسی وقت دیکھا کہ سب غافل ہیں۔ اس وقت یہ آئے اور آکر ان کی لاش کو وہاں سے اتارا اور اپنے گھوڑے پر رکھا اور چلے لیکر۔ اتنے میں وہ بیدار ہو گئے، جو سو رہے تھے پہرے دار یکدم دوڑ لگی۔ کفار جب قریب پہنچے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ اب کپڑے لیں گے، دعا کی۔ زمین فوراً کھلی، لاش اندر چلی گئی، ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگی۔ اسی وجہ سے ان کا لقب محدثین کے یہاں بلیع الارض ہے۔ بلیع کے معنی نگلا گیا۔ زمین نے نگل لیا۔ بنی اکرم کا منشاء جوں جوں صحابہ کرام کو معلوم ہوتا گیا صحابہ کرام اس پر عمل کرتے گئے، سمجھتے گئے کہ ہمارے لئے ذریعہ نجات یہی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ ایک لشی جب پہنکر حاضر خدمت ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ریشم تو مرد کے لئے جائز نہیں۔ یہ کیا کیا۔ بس فوراً واپس چلے گئے اور اتار دیا۔ پھر دوسرے وقت حاضر ہوئے تو حضورؐ نے دریافت کیا کہ وہ ریشم کا جبہ کیا کیا۔ تو فرمایا نان بائی کی دکان تھی تنور جل رہا تھا اس میں جھونک دیا جلا دیا، بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں جلا دیا، تم کو تو سپینے سے منع کیا تھا۔ بچیوں کے کپڑے بنوا دیتے اس میں سے۔

میرے محترم بزرگو! دوستو! بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبوب تھے حضرت عمرؓ کے، جو چیز محبوب کی نظر میں محبوب اور پسند ہو محبوب اس کو نہیں دیکھا کرتا کہ کسی کام آ بھی سکتی ہے یا نہیں ان کے نزدیک تو تنور میں جھونکنے کے سوا کوئی اور صورت تھی ہی نہیں یعنی بالکل بیکار نہ تھی ہے وہ چیز جو بنی اکرم کی نظروں میں ناپسند ہے تو پھر اس میں سوچنے کی گنجائش نہیں۔

ایک صحابیؓ ایک مرتبہ انکو مٹی پہنکر آئے سوئے کی۔ بنی اکرم نے ان کا

ہاتھ پکڑا اور اس میں سے انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا، یہ اہل جہنم کا زیور ہے اہل جہنم کیلئے ہے یہ۔ پھر اس کے بعد حضورؐ چلے گئے، انگوٹھی وہیں پڑی رہی۔ ان سے کسی نے کہا تمہاری انگوٹھی پڑی ہے اس کو اٹھا لو تمہارے اور کسی کام میں آوے گی۔ انہوں نے کیا جواب دیا کہ آقائے نادر سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو پھینک دیا میں اسے نہیں اٹھاتا۔ انگوٹھی حضورؐ کی پھینکی ہوئی ہے۔ کیا محب اسے اٹھائے گا جب محبوب نے پھینک دیا۔ سوال یہ ہے کہ ایک انگوٹھی کے ساتھ ان کا معاملہ یہ تھا انگوٹھی کو حضورؐ نے پھینک دیا ہے ہم ان کو سینے سے لگائیں گے یا پھینکیں گے۔ جس صورت شکل کو حضورؐ نے ناپسند فرمایا کیا ہم اس کو پھینک دیں گے کیا وہ جو ہمارے گھروں میں موجود ہیں۔ جس لباس کو حضورؐ نے ناپسند کر کے پھینک دیا کیا ہم نے اس کو پھینک دیا وہ ہمارے گھروں میں موجود ہیں۔ جس رسم کو حضورؐ نے پھینک دیا کیا ہم نے اس کو پھینک دیا وہ موجود نہیں ہمارے گھروں میں۔ جس بدعت کو حضورؐ نے پھینک دیا تھا من و حداثہ فی دیننا فہو لیس منہ، فرما دیا کیا وہ ہمارے گھروں میں نہیں۔ جس چیز کو نبی اکرمؐ نے پھینک دیا ناپسند فرمایا اور کیا منع کیا ان سے اعراض فرمایا وہ ہمارے یہاں موجود۔

شان تو یہ ہوتی ہے کہ نبی اکرمؐ ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے ایک صحابی انصاریؓ کا ایک مکان تھا قبہ کی شکل کا، وہاں سے گذر ہوا۔ نبی اکرمؐ نے دریافت فرمایا کس کا مکان ہے۔ عرض کیا گیا فلاں صحابیؓ کا۔ اس کے بعد پھر صبح جب مجلس میں وہ انصاری حاضر ہوئے، انہوں نے آکر کے سلام کیا تو نبی اکرمؐ نے سکوت فرمایا۔ ان کو شبہ ہوا کہ شاید کوئی بات ایسی پیش آئی ہو جو حضورؐ کو ناگوار گذری اسی وجہ سے حضورؐ نے سلام کرنے پر جواب نہیں دیا، چہرہ مبارک پھیر لیا محبوب دو عالم نے چہرہ پھیر لیا اب کیا ہوگا۔ ہمت نہیں

پڑتی دریافت کرنیکی۔ ساتھیوں سے پوچھا کیا میری کوئی شکایت پہنچی ہے۔ بتلایا شکایت تو معلوم نہیں۔ ہاں تمہارے مکان پر سے گذرتے ہوئے دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ بس فوراً اٹھے اور جا کر کدال لیکر مکان کو گرایا اور طلبہ اینٹ پتھر سب اٹھا کے ڈال دیا۔ گرا دیا مکان کو بنی اکرم کو ناپسند ہونے پر چہرہ اوندھ پھیر لیں اور کون اس مکان میں رہے۔ یہ تھی شان اُن حضرات کی محبت کی۔ تو پھر غایتِ عمل یہ تھا غایتِ اخلاص یہ تھا کہ حضور کو آکر کہا کبھی نہیں، نہ تو اس پر پوچھا کہ حضور مکان تو ضرورت کی چیز ہے گرمی سردی برسات سے تحفظ کیلئے ضروری چیز۔ بیوی بچے کے رہنے کے لئے آخر مکان چاہئے ہی۔ بالکل نہیں پوچھا۔ یہ بھی نہیں پوچھا اگر ایسا نہیں تو دوسرے قسم کا بنالوں۔ کوئی بات نہیں پوچھی بس اس مکان کو گرا دیا اور گر کر کہا بھی نہیں کہ یا رسول اللہ میں نے مکان گرا دیا۔ خود ہی حضور نے ایک مرتبہ دریافت کیا بتلایا گیا۔

یہ شان تھی کہ نہ ان کی نظروں میں مکان کی کوئی حیثیت تھی نہ قبہ کی کوئی حیثیت تھی، کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں تھی جو بنی اکرم کے منشاء کے خلاف ہو۔ ہر چیز گری ہوئی کو ناپسند کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے اونٹوں پر سوار، صحابہ کرام کی بڑی جماعت ساتھ تھی، یعنی سرخ سرخ چادریں اونٹوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان چادروں کو دیکھ کر فرمایا تم لوگوں کی طبیعت ان خوشنما چادروں کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ فوراً اونٹوں سے کودے صحابہ کرام اور چادر اتار کر پھینک دی۔ بنی اکرم کو جو چیز ناپسند ہے وہ ہرگز برداشت نہیں کی ساتھ میں اُن حضرات کو یہی علامت ہے محبت کی۔ محبت کا دعویٰ ہو تو محبوب کی مرضی کے خلاف چیزیں اپنے بدن میں موجود ہوں، اپنے گھر میں موجود ہوں، اپنے معاشرہ میں موجود ہوں،

اپنی کمائی میں موجود ہوں، اپنی تجارت میں موجود ہوں، اپنی ملازمت میں موجود ہوں ہر چیز بنی اکرم کے مشاہد کے خلاف ہو سچر دعویٰ محبت۔ یہ دعویٰ تو باطل، اس دعویٰ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس دعویٰ کے متعلق تو بہت سے بہت یہ کہا جائیگا یَقُولُونَ بِأَفْوَاحِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ زبَانُونَ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دلوں میں نہیں۔ ورنہ دلوں میں اگر ہوتی تو پھر زندگی کا رخ دوسرا ہوتا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے کسی نے دریافت کیا حضور ایک بات بتائیے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ سے فرمائیں مانگو کیا مانگتے ہو تو آپ کیا مانگیں گے۔ جواب دیا کچھ نہیں، صرف اتنی درخواست کروں گا اے خدائے پاک تیرے رسول کی جو محبت صحابہ کرام کو تھی اس کا کوئی حصہ مجھے عطا فرما دے۔ بس اتنی مانگ۔ یہی محبت تھی درحقیقت انبیاءؑ کی۔

دہلی میں ایک مجذوب رہا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ پڑھا کرتے تھے دہلی میں۔ حضرت نانوتویؒ کبھی کبھی مجذوب کے پاس جایا کرتے تھے اور حضرت مولانا گنگوہیؒ بہت بچتے تھے ان سے۔ اس راستے سے نہیں چلتے تھے جس راستے میں یہ بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ نے ان سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے۔ ان مجذوب کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی بات اپنے پیر کی نقل کرتے تو کہتے میرے بادشاہ نے یوں کہا۔ اور جب کوئی حدیث بنی اکرمؐ کی بیان کرتے تو کہتے دو جہاں کے بادشاہ نے یوں کہا۔ ان کا یہ طریقہ گفتگو تھا۔ جب انھوں نے دعا کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا۔ قاسم تو مجھ سے دعا کیلئے کہتا ہے میں نے دو جہاں کے بادشاہ کے پاس تجھے پڑھتے دیکھا، دو جہاں کے بادشاہ کے پاس میں نے تجھے پڑھتے دیکھا۔ یہ واقعہ حضرت مدنیؒ نے بیان فرمایا تھا۔ پھر فرمایا واقعہ یہی ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے قلب میں مشکوٰۃ

نبوت سے براہ راست علوم منتقل ہوتے تھے۔ ان کے اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل میں وہ عالی مضامین موجود ہیں کہ جس کا صدیوں کے اکابر کی کتابیں ان سے خالی ہیں۔ ان حضرات کا تعلق براہ راست نبی اکرمؐ سے ایسا ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا ایک مقولہ ہے کہ بہت کو معارف بہت کو مکاشفات دوسرے عالم کے سامنے آئیں لیکن انکی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک شخص استغناء سنت کے مطابق کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو کچھ اس کی مقبولیت ہے وہ ان معارف کی نہیں، مقصود اتباع سنت ہے۔ جس قدر اتباع سنت ہوگا اسی قدر اللہ کے یہاں مقبول ہوگا۔

ایک صحابی ربیعہ بن کعبؓ ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات میں رہتا، آپ کی واسطے وضو کا پانی اور ضرورت کی چیزیں لاتا۔ ایک مرتبہ فرمایا سَلِّ مانگ کیا مانگتا ہے۔ قسمت کھل گئی اس خادم کی جس کو کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں مانگ کیا مانگتا ہے۔ انھوں نے کیا مانگا۔ ہم لوگ بھی اپنے اپنے جی میں سوچ لیں۔ جب ہم سے پوچھا جائے مانگو کیا مانگتے ہو۔ ہم کیا کہتے۔ انھوں نے پوچھا حضورؐ میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں، جنت میں یہ چاہئے کہ آپ کا ساتھ نصیب ہو جائے۔ حضورؐ نے فرمایا اَوْ غَيْرَ ذَلِكَ اس کے علاوہ کچھ اور۔ انھوں نے فرمایا۔ واہ صاحب میری مانگ تو یہی ہے۔

ظاہرات ہے جس کو جس سے محبت ہوتی ہے چاہتا ہے کہ اس کو اس سے مراقبت نصیب ہو جائے۔ دنیا میں بھی مراقبت ہو جائے۔ اور یہاں تک کہ بعضے اس کی بھی خواہش کیا کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد قبر بھی قریب ہو جس سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ قبر وہاں ہو۔ کتنے لوگ وصیت کرتے ہیں کہ ہماری قبر

فلاں بزرگ کے پاس ہوں فلاں بزرگ کے قبر کے قریب ہو ہماری قبر۔ اور پھر جنت کی مراقبت۔ یہ تو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ انھوں نے حضورؐ سے جنت کی مراقبت مانگی کیا آپؐ کا ساتھ اس دنیا میں تو نصیب ہوتا ہے جنت میں بھی۔

گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ کو ایک صاحب چائے بنا کر تہجد کے وقت پلایا کرتے تھے۔ خاص آدمی تھے، زیادہ تعلق تھا۔ حضرت نے فرمایا: سب لوگ اپنی اپنی باتیں کہتے ہیں تم اپنی بات کبھی کچھ نہیں کہتے۔ فرمایا حضرت کیا کہوں ایک تمنا ایک خواہش ہے وہ یہ کہ یہاں تو خدمت کا موقع ملتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اُس عالم میں بھی خدمت کا موقع مل جائے۔ انھوں نے کہا ضرور ان شاء اللہ ضرور۔

جب ربیعہ بن کعبؓ نے کہا کہ حضورؐ آپ کی مراقبت چاہئے جنت میں۔ تو حضورؐ نے کیا فرمایا: اعفی بکثرة السجود دیکھو بھی تم میرے پاس جنت میں رہنا چاہتے ہو تو اس میں تم کو میری نذر آمد کرنی ہوگی اپنے نفس کے خلاف کثرت سجد کے ساتھ نماز زیادہ پڑھا کرو چلے جی نہ چاہتا ہو جی پر بوجھ ہوتا ہو مگر نماز زیادہ پڑھا کرو۔ جب نماز زیادہ پڑھا کرو گے تو یہ میری مدد ہوگی کہ میں اس کی بدولت اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ اس بندہ کو میرے ساتھ جنت میں رکھنا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنیوالے اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیں کہ کونسی بات ہماری زندگی میں حضورؐ کے منشا کے خلاف ہے حضورؐ کے مرضی کے خلاف ہے۔ اُن کو نکالنے کی کوشش کریں، یکدم تو ساری چیزیں نہیں نکلتیں، آہستہ آہستہ نکلتی ہیں۔ طبیعت پر بوجھ بھی ہوگا لیکن برداشت کرنا ہوگا۔ ایک اپنی طبیعت کا بوجھ، ایک حضورؐ کی طبیعت کا بوجھ۔ کتنی خسارہ کی بات ہے اپنی طبیعت کا بوجھ تو برداشت کر لے

حضور کی طبیعت کا بوجھ برداشت نہ کرے۔

فارس میں کوئی شخص تھے۔ انھوں نے ہندوستان کے کسی شاعر کا کلام دیکھا اس کلام کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے کہ بھئی اس شخص سے ملنا چاہئے۔ وہ چل کر آئے فارس سے۔ اس زمانہ کا سفر آسان سفر نہیں تھا وہاں سے چل کر آئے گھومتے گھومتے اُس شاعر کے پاس پہنچے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بہت بڑے عارف شخص ہوں گے، دلی اللہ ہوں گے، ان کی زندگی ساری کی ساری سنت کے مطابق ہوگی۔ اشعار سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن جب یہاں ان کے مکان پر پہنچے تو دیکھا ڈاڑھی منڈوائے ہوئے تھے۔ بس وہیں یہ کہا کہ اوہ ریش می تراشی۔ کیوں صاحب آپ ڈاڑھی چھلوارہے ہیں۔ انھوں نے شاعرانہ جواب دیا بے ریش می تراشد دل کس را نمی تراشد“ ہاں میں ڈاڑھی چھیل رہا ہوں کسی کا دل نہیں چھلوارہا ہوں۔ انھوں نے کہا ”غلط می گوئی“ دل می تراشی دلاں کس می تراشی کز و عرش اعظم می ریزد“ کہ تم غلط کہتے ہو کسی کا دل نہیں چھیل رہے ہو دل چھیل رہے ہو اور اس ذاتِ عالی کا دل چھیل رہے ہو جن سے عرش اعظم کا پنتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تم دل چھیل رہے ہو۔

اب ہمیں کبھی خیال ہوتا ہے کہ ہم ہر کام سنت کے خلاف کرتے ہیں حضور کو تکلیف پہنچے گی۔ چونکہ طالب صادق تھے اخلاص کے ساتھ بات کہی ازل خیزد بر دل ریزد“ جو بات دل سے نکلتی ہے دل پر اثر ہوتا ہے۔ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے پر نہیں مگر پرواز کی طاقت اس کے اندر ہے۔ بات کہی ان شاعر صاحب کے دل پر لگی فوراً ڈاڑھی اسی حالت میں چھوڑ دی۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرا بچناں جاں ہمراز کردی

اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ جان جاناں کے ساتھ مجھے
ہمراز کر دیا۔ ڈاڑھی چھلوانے سے حضور کو تکلیف ہوئی ہے۔

حدیث شریف میں موجود ہے۔ ایک شخص آیا ڈاڑھی خراب کر کے حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں۔ آپ نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ اذیت ہوتی
تھی تو پھیرا چہرہ مبارک دوسری طرف۔ اگر کسی کی بات پسند ہوتی تو تب تھوڑے
ہی منہ پھیرا جاتا۔ منہ تو اس سے پھیرا جاتا ہے جس کی بات ناپسند ہو دل کو جی سے
صدر پہنچے رنج پہنچے اس سے منہ پھیرا جاتا ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ ایک طرف ہمیں دعویٰ ہے محبت کا کہ ہمیں حضور سے
محبت ہے، ایک طرف یہ کہ جو چیزیں حضور کو اذیت پہنچا تو الی ہیں وہ ساری کی
ساری ہمارے اندر بھری ہوئی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ کہاں تک موافق
ہے۔ اور جن چیزوں کو حضور نے محبت کی علامت فرمایا ہے وہ علامت ہمارے
اندر موجود ہیں۔ ان علامتوں سے خالی حضور کے منشاء کے مرضی کے خلاف
چیزیں موجود ہیں۔ جس شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نبی سے محبت ہوگی اور
وہ محبت غالب ہوگی ہر ایک کی محبت پر تو اللہ تعالیٰ اس کی محبت تمام کائنات
کے دلوں میں پیدا فرما دیتے ہیں۔

مولانا رومؒ کے والد بڑے زبردست بزرگ تھے اپنے زمانے کے۔ ان
کی خدمت میں بادشاہ وقت آیا تھا۔ آکر دیکھا مجلس کا عجیب حال ہے۔ وزیر
بھی وہاں موجود نمبر دو کے وزیر نمبر تین کے وزیر کتنے امیر و وزراء تھے سلطنت
کے سارے موجود۔ ایک طرف کو نظر اٹھا کر کے دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے
تاجروں و وزراء موجود، دوسری طرف کو علماء موجود۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ
میرے دربار میں تو یہ لوگ اس طرح سے آتے نہیں۔ ان کے یہاں اس

شان کے ساتھ موجود، اور اتنے قدر سے بیٹھے ہوئے۔ ہر ایک کے صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ سر پا محبت بنا بیٹھا ہے۔ عظمت ان بزرگ کی سب کے اوپر چھائی ہوئی ہے، ذرا دیر بیٹھ کر بادشاہ کا ذہن دوسری طرف متوجہ ہوا۔ بجائے حیرت کے غیرت پیدا ہونا شروع ہوئی، حسد پیدا ہونا شروع ہوا۔ ان کے پاس اتنا اقتدار ہے۔ میں باوقار ہوں میرے پاس اتنا اقتدار ہے نہیں۔ کیا کیا خزانہ کی کنجیاں بھیج دیں ان بزرگ کی خدمت میں اور ان کے والد صاحب کے یہاں کھلا بھیجا میرے پاس تو کچھ اور رہا نہیں سب کچھ آپ کے پاس ہے صرف خزانہ کی کنجی ہے۔ یہ بھی آپ کے پاس، رکھ لیجئے لے لیجئے۔ اقتدار، وجاہت، عزت سب آپ کے پاس ہے کچھ نہیں میرے پاس لہذا یہ کنجیاں بھی حاضر ہیں۔ انھوں نے کنجیاں واپس بھیجیں اور درخواست کی کہ آج مثلاً بدھ ہے کل تک کی مجھے مہلت ہو کہ پرسوں جمعہ ہے جمعہ کی نماز پڑھ کر میں آپ کا شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ سب چیزیں آپ کو مبارک ہوں۔ اس بات کی خبر لگئی اور وہ کو بھی۔ ایک وزیر کا استعفیٰ آیا، دوسرے وزیر کا استعفیٰ آیا اس کا آیا اس کا آیا کہ جب حضرت جارہے ہیں تو ہم بھی جارہے ہیں۔ شہر کے جو معزز تھے بڑے باوقار لوگ تھے وہ بھی آگئے، بادشاہ کو خبر ہوئی اس نے کہا یہ اگر چلے جائیں گے شاید کہ ساری جان نکل جاوے گی روضہ نکل جائے گی۔ شاید شہر کی رونق جتنی تھی سب کی سب ختم ہو جائیگی ان کے چلے جانے سے۔ خود حاضر ہو کر معافی مانگی۔ مجھ سے بڑی گستاخی ہو گئی معافی چاہتا ہوں معاف فرمائیے، آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیے۔ کیا بات تھی بات یہی تھی کہ ان بزرگ نے مولانا رومؒ کے والد محترم نے اپنے نفس پر ہر چیز کو بنی اکرمؒ کی محبت کو غالب فرما دیا تھا اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے دل میں ان کی محبت پیدا فرمادی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اتنی بڑی دولت عطا فرماتے ہیں۔ آدمی اپنی

خطاؤں پر نادم ہو تو دو قطرے اس کی آنکھ سے نکل جائیں خدا کو بہت پسندیدہ ہے
 کیا جانے کوئی اشکِ ندامت کی حقیقت کو نین خریدے ہیں اسی ایک گھر سے
 اسی ایک گھر سے کو نین خرید لیں جہاں سے اشک نکلتا ہے۔ دو جہاں آدمی
 اس کے ذریعہ سے خرید سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ یہ چیز عطا فرمادے اور
 دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں سچ، حقیر ہیں۔ یہ بہت بڑی دولت ہے۔

شبہ پیدا ہوتا ہے بعضے بعضے بزرگوں کے پاس تو بڑا مال و دولت ہے، لباس
 ان کا اعلیٰ قسم کا، کھانا بھی اعلیٰ قسم کا، مکان و رہائش بھی، ساز و سامان بھی اعلیٰ۔
 ہاں ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا کیفیت۔

ایک صاحب حج کو جا رہے تھے بہت مختصر سا سامان ان کے پاس ایک
 مشکیزہ، ایک ٹوٹا، ایک تکیہ بہت ہی فقر پریدل چلے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ایک
 کشتی میں بیٹھے وہاں ایک بزرگ تھے انھوں نے کہا ان کی خدمت میں بھی ہوتے
 چلے جائیں زیارت کے لئے۔ گئے۔ اپنا یہ سامان رکھ دیا مسجد میں۔ اُن بزرگ کے
 یہاں دیکھا تو شاہانہ شان ہے۔ بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ایسی شان و شوکت۔
 وہاں جا کر دل کے اندر شبہ پیدا ہوا کہ بزرگ ایسے بھی ہوا کریں۔ بیٹھے اور پوچھا
 کیسے آئے۔ حج کیلئے جا رہا تھا سوچا کہ آپ سے بھی ملاقات کرتا جاؤں۔ انھوں نے
 کہا اچھا۔ کہا چلو ہم بھی چلیں۔ ان کے ساتھ ہو گئے۔ یوں سوچا کہ سامان و امان کچھ ہوگا
 اُن کا۔ اتنی شان و شوکت کے ساتھ ہیں۔ مستقل جماعت ہو گئی ان کے ساتھ تو۔
 آبادی سے باہر نکل گئے چلتے چلتے تب ان صاحب نے کہا حضرت آپ کا ساز و
 سامان۔ انھوں نے کہا سامان تو میرے پاس کچھ ہے نہیں۔ خدام کہاں۔ خدام بھی
 سنیں اور رہا یہ ساز و سامان یہ تو سب کا ہے ہیں اس کے کیا لینا۔

ان حضرات کا یہ حال ہوتا ہے سارے ساز و سامان کے ساتھ رہتے بھی

ان کو اس سے اتنا بھی تعلق نہیں۔ یہ بے تکلفی ہے۔ ایک شخص جس کے پاس ایک شکیزہ ایک لوٹا، ایک تکیہ اس کا دل اسی میں اسکا ہوا رہتا ہو کتنا بڑا فرق ہے کسی نے کہا:۔

نہ مرد آنست کہ دنیا دوست دارد اگر دارد برائے دوست دارد
وہ مرد نہیں ہے جو دنیا کو دوست رکھے۔ اور اگر دنیا اس کے ساتھ ہے تو وہ دوست کی خاطر رکھے کہ اس کی دی ہوئی مالک کی دی ہوئی چیزیں اس نسبت سے کہ مالک ہی کی عطا کی ہوئی ہیں یہ نسبت بہت اونچے درجہ کی چیز ہے جبکہ طلب میں اس کا پورا استحضار ہو جائے۔ ارے کم بخت محبوب سے محبت تو ہے نہیں۔ اس کی دی ہوئی چیز سے مزے لے رہا ہے اس کی دی ہوئی چیز سے مزہ کہاں، مزہ تو محبوب کے تعلق اور ذکر سے آتا ہے۔ اگر اس سے تعلق ہو تو اس کی دی ہوئی چیز سے مزہ آئے۔ اس سے تو تعلق ہے نہیں تو بھلا مزہ کہاں۔ مالک کی دی چیزیں اس نسبت سے کہ مالک کی عطا کی ہوئی ہیں اس کی خدا کرے یہ حضرات اس چیز کی نسبت سے نہیں۔ اسی نسبت کی وجہ سے احادیث میں واقعہ آیا ہے۔

حضرت ایوبؑ غسل فرما رہے تھے، سونے کی ٹڈیاں آئی ہوئی ہیں۔ ٹڈی جانور چھوٹا سا ہوتا ہے۔ سونے کی چیز۔ بس یہ فوراً اکٹھی کرنے لگے۔ وہاں سے وحی آئی اے ایوب! کچھ کمی ہے کیا ہمارے پاس۔ فرمایا: پاک پروردگار آپ کا دیا ہوا سب کچھ ہے کمی کس چیز کی۔ یہ سب آپ کی عنایات ہیں آپ کی نعمت ہیں۔ آپ کی نعمت سے کون مستغنی ہو سکتا ہے۔ کمی کی وجہ سے ہمیں بلکہ آپ کی طرف سے ایسی وجہ جمع کر رہا ہوں۔ ایک بزرگ کے پاس ان کے خادم نے آکر عرض کیا حضرت فلاں ہونی بادشاہ نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ فلاں ستھانا دار ستھادہ کھو گیا۔ دونوں آنکھ بند کر کے دیکھا تو فرمایا الحمد للہ خدام تلاش کرنے میں لگے ہوئے تھے ہی ڈھونڈ ڈھانڈ کے نکال لیا اور فرمایا حضرت وہ ہونی پالیا۔ فرمایا الحمد للہ۔ بعد میں کسی نے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے۔

آپ نے اس کے کھو جانے پر بھی الحمد للہ کہا۔ اور پائے جانے پر بھی الحمد للہ فرمایا۔ جب آکر خبر دی کہ موتی کھو گیا۔ میں نے دیکھا میرا اطمینان تو نہیں کھو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرا اطمینان بالکل کھو یا نہیں اطمینان قلب میں تھا اس لئے الحمد للہ کہا۔ جب آکے خبر دی کہ موتی مل گیا، پاگیا تو دیکھا کہ اطمینان میں کچھ اضافہ تو نہیں ہوا خوشی تو نہیں ہوئی دیکھا کوئی تبدیلی نہیں نہ اضافہ نہ کمی بالکل فارغ۔ میں نے کہا الحمد للہ۔ لہذا ان بزرگوں کے پاس جو کچھ عطا ہو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت سے اس کی قدر ہوتی رہے کہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ لایا والا اخلاص کے ساتھ میں لا رہا ہے پس اخلاص کے ساتھ قدر کرنی چاہئے۔ اس چیز کی اس ہیئت سے کہ اپنے نفس کی خواہش کی چیز ہے۔ اس کی بالکل قدر نہیں ہوتی۔ قدر ہوتی تو اس چیز کی جس کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ یہ نہیں کہ نفس کو اس سے راحت ملے گی، نفس خوش ہوگا اس واسطے نہیں بلکہ اس واسطے کہ اللہ اس سے کتنے خوش ہوں گے جنہوں نے یہ چیز عطا کی۔

عجیب حال تھا بزرگوں کا حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ معمولی پورے چٹائی پر بھی بیٹھے، دری پر بھی بیٹھے، بیش قیمت قالین پر بھی بیٹھے، معمولی کپڑے بھی پہنے، قیمتی کپڑے بھی پہنے، کپڑا تھا سفید اس کے اوپر کالے رنگ کے پیوند بھی لگائے۔ نہ اس کے پہننے سے کوئی عار ہے نہ اس کے پہننے کی وجہ سے کسی قسم کا استکبار ہے جو شخص اپنے نفس کو مٹا دے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اوپر غالب کر لے تو یہ دنیا اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بہت کچھ نوازتے ہیں، بہت کچھ عنایت فرماتے ہیں۔

تو ساری درخواست کا خلاصہ یہی ہے کہ محبت کے بغیر ایمان سنہیں لاؤ مومن

أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ
 اللہ کی محبت ہو اللہ کے رسول کی محبت ہو۔ اور یہ حضور کی محبت ہر ایک کی محبت پر غالب
 ہونی چاہئے۔ یہ ایمان کی علامت بتائی ہے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
 محبت ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو چیز ہوگی وہ اپنی پسند ہوگی اور جو حضور
 کو ناپسند ہوگی وہ اپنے کو ناپسند ہوگی۔ اور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی
 ہو اس سے اپنے آپ کو خوشی ہو، اور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی نہ ہو
 اس سے اپنے آپ کو خوشی نہ ہو۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ جس وقت ہجرت کے موقع پر ساتھ تھے، غار ثور کے
 قریب پہاڑی پر پہنچ کر دیکھا ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے۔ اس سے پوچھا بھائی
 کس کی بکریاں ہیں۔ کہا کہ فلاں شخص کی۔ وہ ان کا جاننے والا تعلق والا تھا۔ انہوں
 نے کہا اجازت ہے دودھ دو سنے کی؟ کہا ہاں اجازت ہے۔ دودھ دو لیا
 پہلے بکری کے تھن کو صاف کیا غبار سے، دودھ دو ہا اس کو الٹ پلٹ کر ٹھنڈا
 کیا تاکہ اس کی گرمی ختم ہو جائے۔ فریج تو نہیں اس زمانے میں۔ یوں ٹھنڈا
 کر لیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابو بکر
 رضی اللہ عنہ کہتے ہیں فشرب حتیٰ راضیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم دودھ پیا یہ
 تک کہ میرا جی راضی ہو گیا۔ پی رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دودھ اور راضی
 ہو رہا ہے حضرت ابو بکرؓ کا جی۔ غار کے اندر جانے کا وقت آیا تو حضور سے عرض
 کیا حضور سمٹھر جائیے پہلے میں جا رہا ہوں۔ اندر گئے تاکہ اگر کوئی موذی جانور
 وہاں ہو۔ ایسے غار میں ہو ہی کرتے ہیں اس سے حفاظت ہو جائے۔ گئے جا کر
 کے دیکھا کہ غار میں بہت سارے سوراخ ہیں ادھر ادھر۔ چادر کو اپنی پھاڑ
 پھاڑ کر سوراخوں میں بھر دیا راستے بند کر دیئے اس کے کہ کوئی موذی جانور

اندر نکل نہ پائے۔ جب باہر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ چادر کیا ہوئی۔ تو کہا حضور اس کام آگئی۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت کے واسطے چادر کام آگئی۔ اس سے زیادہ خوش نصیب چادر کون سی۔ پھر حضور کو لیکر اندر گئے اور جا کر کہا حضور میری ران پر سر رکھ کر آرام کر لیں۔ سو جائیں۔ لٹا دیا۔ دیکھا کہ ایک سوراخ رہ گیا۔ اس سوراخ میں اپنا پیر دے دیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ وہاں کوئی سانپ تھا، سانپ نے کاٹا۔ بس اس سانپ کے کاٹنے ہی یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ سانپ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ اس کے کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ میں مر جاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ جائیں گے حضور مجھ پر اعتماد کر کے اپنا رفیق بنا کر ساتھ لائے ہیں۔ افسوس حضور بغیر رفیق کے رہ جائیں گے۔ دشمن تلاش میں ہے پریشانی ہوگی۔ یہ تصور آنا تھا کہ بے اختیار آنسو آگئے، آنسو چہرہ مبارک پر گرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو کہا حضور مجھے سانپ نے کاٹ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا دیا، اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمادی۔

ابو بکر صدیقؓ کی آنکھ سے آنسو نکلنے کی وجہ یہ ہے، یہ تصور کہ حضورؐ تنہا رہ جائیں گے۔ دشمن تاک میں ہے۔

بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو بڑے میاں صورت بناؤ رو رہے ہیں ذرا سا سانپ نے کاٹ لیا تو رو رہے ہیں۔ بد نصیبوں کی کتابوں میں یہ چیز شیعہ لوگ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لعاب دہن لگا دیا زہر رفع ہو گیا صحت ہو گئی۔ دشمن تلاش کرتے کرتے قریب تک پہنچ گئے عرض کیا کہ حضورؐ دشمن ہیں دیکھ رہے ہیں۔ ذرا اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔

آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ ان دو کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں کہ تیسرا جن کا اللہ ہے۔ ایک میں اور تم دو اور تیسرا ہمارا اللہ ہے، ہمارا محافظ اللہ ہے۔ حضور کو بھی اعتماد تھا۔ حضور کو اعتماد نہ ہو گا تو اور کس کو اعتماد ہو گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے ازالۃ الخفاء میں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواریں میں سے ایک نے درخواست کی حضرت عیسیٰ سے آپ دعا کیجئے کہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لوں۔ وہاں سے جواب ملا کہ نہیں اس حالت میں تو نہیں دیکھ سکتے

اگر تم چاہو تو تم کو سانپ بنا دیا جائے۔ اس نے منظور کر لیا۔ انسان اشرف المخلوقات اور وہ بھی اس زمانہ کے جلیل القدر پیغمبر کے صحابی حواریں میں سے تھے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق اتنا غالب تھا کہ انھوں نے اس اشرف المخلوقات کی صورت کو بدل کر سانپ کی صورت لانی کو بخوشی منظور کر لیا بنی کریم کے دیدار کے لئے۔ چنانچہ ان کو سانپ بنا دیا گیا۔ بتا دیا گیا تھا کہ بنی اکرم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے جائیں گے، راستے میں اس غار میں ٹھہریں گے۔ آکر سانپ اس غار میں ٹھہر گئے، کئی صدیاں گزر گئیں اسی کا وہ سوراخ رہ گیا تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ نے پیر دیا تھا۔ اس سانپ نے کہا اللہ کے بندے اتنی صدیوں پڑا رہا حضورؐ کی زیارت کے لئے آج تم نے پیر دیکھو یا۔ تب بھی بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق تو سبھی کو ہے ماشاء اللہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں قربان کر کے حضورؐ کی زیارت نصیب ہو جائے تو بھی بڑی بات ہے۔ اللہ کے بندے ایسے بھی اس دنیا میں گزرے جنھوں نے حالت بیداری میں حضورؐ کی زیارت کی۔

حضرت جلال الدین سیوطیؒ کے متعلق فیض الباری میں لکھا ہے کہ آٹھ مرتبہ

انہوں نے بیداری کی حالت میں حضور اکرمؐ کی زیارت کی۔ اور دوسرے حضرات کے متعلق بھی ہے۔

حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کے حالات میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھے حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ مسئلہ آگیا حیات النبیؐ کا کہ حضورؐ وفات کے بعد بھی اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں بس کیا تھا طلبہ اشکال کر رہے تھے۔ حضرت مولانا سمجھا رہے تھے دلائل کے ساتھ۔ طلبہ نہیں مان رہے ہیں۔ حیات تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔ سبق پڑھاتے پڑھاتے یکدم مولانا یوں سر اٹھایا روضہ مبارک کی طرف قبر اطہر کی طرف۔ طلبہ نے بھی دیکھا۔ دیکھا تو روضہ مبارک وہاں نہیں حجرہ شریف وہاں نہیں دیوار وغیرہ کچھ نہیں خود نبی اکرمؐ بنفس نفیس تشریف فرما ہیں۔ پھر سہ دوسرے طرف کو کر لی۔ دوبارہ دیکھا تو پھر روضہ مبارک اسی طرح موجود جیسے پہلے تھا۔ معنی دلائل سے سمجھایا تو سمجھ میں نہیں آیا تو نفس الامری میں دکھلا دیا کہ اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ جس کو پسند فرما لیتے ہیں تو دکھلاتے ہیں۔

نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق ان شاء اللہ سب کو ہے۔ اور اس شوق کو پورا کر نیکو داعیہ بھی سب کو ہے۔ اس دنیا میں نصیب ہو آخرت میں نصیب ہو قبر میں نصیب ہو۔ حضور اکرمؐ نے طریقہ بتلا دیا اس کے لئے کہ جنت میں میرے ساتھ کی صورت یوں ہے جنت میں میری رفاقت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے اَعْنِيْ عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ زیادہ نماز پڑھا کرو۔ اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّتِ اگر آدمی اس نیت سے پڑھے تاکہ حضورؐ کی معیت وہاں

نصیب ہو جائے تو حق تعالیٰ اس کو جنت کا بھی ثمرہ عطا فرمائیں گے۔
 دعویٰ بھی موجود اور اس دعویٰ کیلئے دلائل بھی بیان فرمادیئے گئے۔ اور
 دعویٰ کی علامات بھی بتادی گئیں، حضورؐ کی مرافقت بھی بتلادی گئی کہ کس طرح
 سے مرافقت نصیب ہوتی ہے۔ اب جو حضرات اس بات کی خواہش رکھتے ہیں
 ان سب کو سخت ضرورت ہے کہ اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، تلاش کر کے دیکھیں
 جو طریقہ بتلادیا گیا اس طریقہ کو اختیار کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق عطا
 فرمائے اور دھوکہ سے حفاظت فرمائے۔ امین۔ حقیقی محبت حقیقی الفت نصیب
 فرمائے، اصلاح فرمائے۔ حضور اکرمؐ کی طرف سے جو مہمان ہمارے یہاں موجود ہیں
 اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے فیض سے متمتع فرمائے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ رَبَّنَا
 لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً
 إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

اے خدائے پاک ہماری غفلتوں کو دور فرما۔ اے اللہ ہماری بے حسی کو دور
 فرما۔ اے اللہ تیری طرف سے انعامات اور انعامات کے اثرات میں کوئی کمی نہیں ہے
 اے پروردگار ہمیں توفیق عطا فرما اس سے نفع اٹھانیکی۔ اے اللہ یہ پاک مہینہ
 مبارک مہینہ جارہا ہے اے مولا اس کو پورا پورا وصول کرنیکی توفیق مرحمت فرما۔
 اے مولا رحم فرما۔ گناہوں کی نحوست سے ہم کو دھو دے پاک فرمادے۔ اے اللہ
 جن اخلاق رذیلہ سے تیرے نبی اکرمؐ کو ناراضگی ہے۔ اے پاک پروردگار ایک
 ایک کر کے ان کو ہمارے سے نکال دے۔ اے العالمین جن اخلاق سے محبت
 فرماتے تھے وہ اخلاق مرحمت فرما۔ اے پاک پروردگار توبے جان چیز میں
 جان ڈالنے والا ہے الہی ہمارے اندر بھی حقیقی جان ڈال دے۔ اے اللہ

اپنے صیبت کی محبت کو ہر چیز کی محبت پر غالب فرمادے۔ اے پاک پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ جیسا روزہ تجھے مطلوب ہے ویسا روزہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرما، جیسی نماز تجھے مقبول ہے ویسی نماز پڑھنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے پاک پروردگار ہمارے دلوں کے زنگ کو دور فرمادے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ
عَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّحْمٰنِ۔



www.ahlehaq.org

حضورِ صلّی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

www.wahlehaq.org

وعظ مرکزی جامع مسجد باندی پور

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى۔
 اَمَّا بَعْدُ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اَلُوْ
 اللّٰهُ جل جلاله، و عم نواز نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بڑے
 احسان کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے بہت بڑا احسان کیا مومنین پر
 ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہی میں سے
 ہے۔ انہی کی قسم میں سے ہے۔ انہی کی نوع میں سے۔ یہ بہت بڑا احسان
 ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہمیں پیدا کیا کتنا بڑا احسان ہے۔
 نہ پیدا کرتے تو ہمارا کیا زور تھا۔ پیدا کیا تو انسان بنایا۔ اگر انسان نہ بناتے
 ہا تو زور بنا دیتے تو ہمارا زور تھا کچھ؟ گدھے بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں
 کتے بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سانپ کچھ بھی اسی نے پیدا کئے ہیں۔
 اگر خدا ہمیں انسان نہ بناتا، سانپ کچھ بناتا تو ہمارا کوئی زور تھا اس پر؟
 تو کیا ہوا ہوتا؟ جو دیکھتا ہی مارنے کو دوڑتا۔ گدھا بناتا، بیل ہاتھی بناتا تو
 کیا ہوتا۔ یہ سب بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اس نے ہمیں انسان بنایا،

کتنا بڑا احسان کیا۔ پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں جو بُرے بے شمار عوارض میں مبتلا ہیں، پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ لٹھ ہوئی، کسی کے معدے میں درد، کسی کی کمر میں درد، قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری بیماریوں سے محفوظ فرمایا۔ کتنا بڑا احسان کیا۔ اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بُت بناتے ہیں، اُس کی پوجا پاؤں کرتے ہیں۔ اس کو خدا، معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں، مالکُ الملک سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ جانتے ہی نہیں اپنے پیدا کرنے والے کو اپنے خالق کو اپنے رازق کو پہچانتے نہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ نام تو ان کا مسلمان ہے لیکن کبھی مسجد میں نہیں آتے ہیں، کبھی قرآن کریم نہیں پڑھتے۔ کبھی سر نہیں جھکاتے خدا کے سامنے۔ کبھی کلمہ نہیں پڑھتے۔ جانتے نہیں۔ تو اللہ نے کتنا بڑا احسان فرمایا کہ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی۔ مسجد میں آنے کی۔ اگر مہر لگا دیں دلوں پر تو کوئی اُسکتا ہے؟ ہرگز نہیں اُسکتا۔

ایک صاحب بابو۔ ان کے ساتھ ملازم۔ ملازم نماز کا بہت پابند۔ کہیں ساتھ لئے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے بازار سے کچھ سامان سودا خریدا۔ ادھر اذان ہو گئی۔ ملازم نے کہا حضور میں تو جا رہا ہوں میرے آقا نے میرے مولائے مجھے بلایا ہے۔ اس نے کہا تیرا آقا تو میں ہوں تجھے کس نے بلایا۔ اس نے کہا کہ نہیں ایک دوسرا آقا ہے جو ہم سب کا آقا ہے۔ اس نے بلایا ہے۔ اذان ہو گئی۔ مسجد میں جانے کے لئے حکم ہے۔ چنانچہ وہ باہر بیٹھ گئے اور ملازم مسجد کے اندر آ گیا، ملازم نے نماز پڑھی، کچھ بیس و ظیفہ پڑھنے لگا۔ دیر ہو گئی نہیں گیا۔ وہ صاحب اُسے آواز دی۔ ارے آتا نہیں کیا ہو گیا؟ ملازم نے کہا جانے نہیں دیتے۔ اس نے کہا ارے کون نہیں جانے دیتا وہاں کون بیٹھا ہے۔ دیکھا ادھر ادھر کوئی وہاں

بیٹھا نہیں ہے۔ پھر کون جانے نہیں دیتا۔ ملازم نے کہا وہی جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا۔ جو آپ کو اندر مسجد میں آنے نہیں دیتے وہ مجھ کو مسجد سے باہر جانے نہیں دیتے۔

اللہ میاں کی طرف سے کتنا بڑا احسان ہے کہ اپنے دربار میں اس نے آنے کی اجازت دیدی۔ دنیا میں کسی کلکٹر سے کسی ڈپٹی سے کسی بڑے آدمی سے ملنا چاہو تو کتنی دیر لگتی ہے۔ اس کے یہاں درخواست بھیج دو۔ ملازمین سے بات کرو۔ ٹیلیفون پر بات کرو۔ وقت بتاؤ۔ اپنا مقصد بتاؤ۔ کیوں آئے ہو۔ یہ بتانا پڑے گا۔ پھر بھی اُلجھن ہے اجازت ملے یا نہ ملے۔ اللہ میاں کے یہاں کچھ نہیں۔ کوئی درخواست نہیں دیتے۔ کسی کی سفارش نہیں۔ آؤ وہ اعزاز و اکرام سے بلاتے ہیں۔ اجازت ہے، آؤ آؤ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بہت ہیں بے شمار ہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ کتنا بڑا احسان ہے۔ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ایک ایک سورۃ عالی۔ ایسا کہ ثواب بہت بڑا۔ قُلْ هُوَ اللہ شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر ایک تہائی قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے۔ یسین شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ ایسی ایسی نعمتیں اُس نے دے رکھی ہیں، نماز کس کی بدولت عطا ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عطا ہوئی۔ پانچ وقت حاضری کا حکم۔ اور اللہ تعالیٰ قدر دانی سے بلاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے وضو کر کے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک نیکی ملتی ہے۔ ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ کتنا بڑا احسان ہے۔ کتنا بڑا اکرم ہے۔ کتنا بڑا اعزاز ہے۔ وہیں سے اعزاز شروع ہوتا ہے۔ اپنے گھر آنے والے کے لئے۔ یہ احسانات انعامات ہیں حق تعالیٰ کے ان پر شکر ادا کرنا چاہیے۔

جیسی بڑی نعمت ہوتی ہے ویسا اس کا بڑا شکر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا، روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا، زکوٰۃ کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا، حج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔ کتنے بڑے احسانات ہیں۔ پانچ وقت سارے محلے والے جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اُس کی خیریت پوچھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہیں آیا تو تحقیق کرتے ہیں کہ کیا بات ہے خیریت پوچھتے ہیں۔ طبیعت تو اچھی ہے، کہیں باہر تو نہیں گیا، کوئی عارض پیش نہیں آیا۔ ایک ہڈی یہی ہے، جو نماز کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ہفتے میں ایک روز جمعہ کے دن ساری بستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنا محسن سمجھتے ہیں، اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہیں۔ کتنی بڑی ہمت اور قوت دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے نماز کی بدولت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

جو لوگ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں جانتے ہیں "ل" تاکید کے لئے آتا ہے۔ "قد" تحقیق کے لئے آتا ہے۔ بالتحقیق بالیقین اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا۔ احسان تو سب کے لئے ہے۔ آپ کی ذاتِ عالیہ ذاتِ مبارکہ، ذاتِ مقدسہ سب کے لئے احسان ہے۔ آسمانوں کے لئے بھی، زمینوں کے لئے بھی، فرشتوں کے لئے بھی، جنات کے لئے بھی، حیوانات کے لئے بھی، بشر کے لئے بھی، سب کے لئے رحمت و نعمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ لیکن فائدہ اٹھانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے۔ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے ہیں:

وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ احسان خاص طور پر مومنین کے لئے ہے۔ ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔ جیسا بڑا احسان ہوتا ہے ویسا ہی بڑا اس کا شکر بھی ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس کا حق بھی ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بے شمار ہیں، ان کو اگر سمویا جائے تو تین قسم میں سمویا جاسکتا ہے۔ (۱) پہلا حق ہے محبت کا آپ کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہیے۔ خود حدیث پاک میں آتا ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ تم میں سے کوئی شخص مومن کہلانے کا حق نہیں رکھتا، مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اس کے ماں باپ سے اس کے اولاد سے سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ لہذا پہلا حق محبت کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہیے۔ ہر مسلمان کے قلب میں محبت ہونی چاہیے۔ محبت جو ہوتی ہے آدمی کو اپنے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے، اپنی دوکان سے، اپنے عہدے سے، اپنی اولاد سے، اپنے مال سے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت ہے وہ سب محبتوں سے بالاتر اور اعلیٰ ہونی چاہیے۔ اس کا اندازہ ہوتا ہے مقابلے کے وقت، ایک کی محبت کا تقاضا کچھ اور، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا کچھ اور۔ تو آدمی کس کی محبت اختیار کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو یا کسی اور کی محبت کو۔ اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اُس کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رض کا حال۔ صحابہ کرام رض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح محبت کی ہے۔ اور کیسے کیسے مقابلے کے وقت میں کیا کیا نوبت آئی ہے۔ اسلام کا سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر کہلاتا ہے۔ قصہ طویل ہے۔ اس میں تھوڑا

ساٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں بھی غزوہ بدر کا تذکرہ آیا ہے۔
 احادیث میں تشریح سے آیا ہے۔ جب غزوہ بدر ہوا۔ ادھر سے چلے بنی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے پیادہ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی
 باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک دو گھوڑے تھے۔ ایک دو تلواریں تھیں۔
 باقی کسی کے پاس تلوار نہیں، گھوڑا بھی نہیں تھا۔ وہاں پہنچ کر میلہ کام کیا۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے سامنے نماز پڑھ کر دعا کی۔ اس طرح دعا کی
 کہ یا اللہ اتنے برسوں کی محنت کے بعد یہ مسلمان تیار ہوئے ہیں، ایمان لائے
 ہیں۔ ۳۱۳ مسلمان، کُل صحابہ کرام رضہ ۳۱۳ آدمی ایمان لائے ہیں۔ مدتوں کی محنت
 کے بعد۔ بڑی مشقتوں سے بڑی مصیبتوں سے۔ اگر آج یہ قتل ہوئے تو کُل
 تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
 کیا۔ بس بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا قبول ہو گئی۔ ایک چھپر ڈال دیا تھا کہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس چھپر میں رہیں۔ اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آوے۔
 کوئی بات کہنی ہو اس چھپر تک آجاوے۔ پہنچانے کے لئے چھپر ڈال دیا گیا۔
 تلاش نہ کرنا پڑے۔ ادھر ادھر کہاں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ چھپر کو دیکھ کر
 وہاں آجاوے۔ اور پھرے کے لئے حفاظت کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضی
 اللہ عنہ تجویز تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ اگر پچاس قدم کے فاصلے پر بھی
 کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کے دیکھتا تو حضرت ابو بکر
 تلوار لئے ہوئے شیر کی طرح اس پر چھٹے تھے۔ اس حفاظت کے لئے قدرت کی
 بات اس جہاد میں حضرت ابو بکر و ادھر تھے اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمن
 بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ کافروں کے ساتھ تھے۔ وہ اس وقت ایمان نہیں
 لائے تھے۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ شتر مشرکین قتل ہوئے۔ شتر گرفتار

ہو کر قیدی بنائے گئے۔ اللہ نے وہ دن کیا کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر بھی ایمان لائے۔ ایک دن کہنے لگے کہ بدر کی لڑائی میں آپ ایک موقع پر آئے تھے، نشانے پر آئے تھے۔ میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا۔ لیکن باپ ہونے کا خیال کیا کہ آپ میرے باپ بھی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا، جانے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ تم نے باپ ہونے کا خیال کیا۔ لیکن اگر تو میرے نشانہ پر آ جاتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑ دیتا۔ میں خیال نہ کرتا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ میں تجھے فوراً قتل کر دیتا۔ تیری مجال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نکوارے کرائے۔ یہاں سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے پیٹے سے زیادہ تھی۔ ایسے مقابلے کے وقت پتہ چلتا ہے۔ کہ کس کی بات صحیح ہے کس کی نہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ان کے پاس ان کے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ آئے۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ جب باپ آئے ہوئے ہیں تو جو بسترہ بچھا ہوا تھا جلدی سے لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ باپ نے پوچھا یہ کیا۔ دُنیا کا دستور یہ ہے کہ جب باپ جاتا ہے بیٹی کے پاس تو بیٹی اس کے لئے بسترہ بچھا دیتی ہے۔ تو نے بچھا بچھایا بسترہ اٹھا کے رکھ دیا۔ انھوں نے بتلایا یہ بسترہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تم نجس ہو، کافر ہو، مشرک ہو، ایمان نہیں لائے ہو، تم اس قابل نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بسترے پر بیٹھ سکو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ تھی باپ کی محبت سے۔

بہت واقعے ہماری زندگی بھری ہے۔ اسی طریقے پر کہ ان حضرات کے یہاں محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تھی۔ اور اسی سے پتہ چلتا ہے ان واقعات

سہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق ہے محبت کرنا۔ لیکن اتنا یاد رہے کہ خالی محبت بغیر عقیدت کے بغیر اطاعت کے خالی محبت کا دم بھرنا نجات کے لئے کافی نہیں دوسرا حق ہے عقیدت کا۔ عقیدت کے کیا معنی؟ یہ یقین کر لیں اور یہ فیصلہ کر لیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے، جو کتاب لے کر آئے، جو احکام لے کر آئے وہ سب حق ہیں، وہ سب سچے ہیں، ایسے سچے ہیں کہ ان کو اختیار کئے بغیر نجات نہیں، نجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں ہے۔ یہ یقین رکھنا، یہ عقیدت رکھنا یہ دوسرا حق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ چنانچہ چالیس سال کی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تھی مکہ مکرمہ کی کہ سب لوگ آپ محبت کرتے تھے۔ مرد بھی اور عورت بھی۔ آپ کو امین کہتے تھے سچے بہت سچے امانت دار۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ آپ کو سپامانتے تھے سبھی محبت کرتے تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: **وَاسْتِذْكَرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** کہ آپ اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے۔ اللہ کے احکام کی طرف دعوت دیجئے۔ یعنی نبوت کا آپ نے اظہار فرمایا۔ آپ کے ساتھ یہ عقیدت رکھنا کہ آپ کی ہر بات میں نجات ہے۔ آپ بالکل سچے ہیں۔ آپ کو ہر صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ اپنے گھر کے لوگوں کو بلایا۔ نام نام لے کر کے پکار کر آواز دی سب کے سب گھبرا گئے۔ یہ کیسی آواز ہے۔ اس سے پہلے تو کسی نے اس طرح تو پکارا نہیں تھا اور آواز سارے مکہ میں پھیل گئی۔ ایک تو وہاں آبادی اور بڑے بڑے محلات مکانات تو اس زمانے میں تھے نہیں۔ اس لئے آواز پہونچی۔ دوسرے یہ کہ وہ آواز تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی جو اللہ کے حکم سے دی گئی تھی۔ اس کو کون روک سکتا تھا۔ کون رکا دے بن سکتا تھا۔ کوئی رکاؤ

نہیں تھی۔ چنانچہ سب لوگ دوڑ کر آئے۔ یہ کیا قصہ پیش آیا ہے۔ کیوں ایسے پکارا جا رہا ہے۔ اور جو خود نہیں آسکا کسی مشغولی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو بھیجا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے۔ تحقیق کرو۔ جب وہ سارے جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان کا امتحان لیا۔ فرمایا اگر میں یہ کہوں تم کو کہ پہاڑ کے پاس دشمن کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے جو صبح ہوتے ہی تم پر حملہ کر دے گا، تم رات سے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کرو۔ کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ یہ پوچھا۔ سب نے کہا کہ ماجربنا علیہ الذب۔ آپ کے متعلق غلط بیانی کا تجربہ نہ ہوا۔ آپ نے آج تک جو بات فرمائی، سچ فرمائی۔ ہم ضرور مانیں گے۔ تسلیم کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کوئی دشمن کا لشکر تو موجود نہیں۔ لیکن جب آپ فرماتے ہیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں گے۔ اور آپ کی باتوں کو مانیں گے۔ تب آپ نے فرمایا میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ آپ کی طرف آیا ہوں۔ خدا کے عذاب ڈرو۔ مرنے کے بعد دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے۔ اور ذرے ذرے کا حساب ہو گا وہاں پر۔ اس مجمع میں اس مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ دعویٰ محبت کرنے کا دم بھرنے والا تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا اس کا نام تھا ابو لہب۔ اس نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ محبت تو وہ کرتا تھا لیکن اس عقیدت کے لئے تیار نہیں ہوا۔ کہ آپ کو رسول جانے۔ جو بات آپ اللہ کی طرف سے پہنچائے ہیں اس کو تسلیم کریں۔ وہیں سے الگ ہوا۔ اس نے سخت لفظ کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں۔ حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورہ تنبیت پیدا نازل کی، اس کو جہنمی دوزخی فرمایا۔ ابو لہب کو اس ساری محبت کے باوجود محبت کیسی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تھے عبد اللہ۔ ان کے گھر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، پیدا ہوئے۔ ابو لہب کی ایک باندی تھی ثویبہ

اس نے اُکرا بولہب کو خوشی خوشی اطلاع کی کہ تمہارے گھر بھتیجہ پیدا ہوا ہے۔ ابولہب خوشی میں اُکرا بھی اس کو آزاد کر دیا تھا۔ بعد میں کتنی محبت تھی۔ کیسی خوشی کی بات سنائی۔ خدا جانے کتنی دفعہ کندھے پر اٹھایا ہوگا، گود میں بٹھایا ہوگا۔ بھتیجے کو محبت کی وجہ سے۔ یہ ساری محبت بے کار گئی۔ اس واسطے کہ عقیدت نہیں تھی۔ عقیدت کیا تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مانیں۔

محبت یہ ہے بنیادی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول ماننا اور یہ فیصلہ کر لینا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ہم اس کے ماتحت رہیں گے۔ یہ عقیدت ہے سچا تو سبھی مانتے تھے۔

حضرت سعد رضی مدینہ طیبہ میں انصار کے سردار تھے اپنے قبیلے کے۔ ان کا معمول تھا جب مکہ معظمہ آتے تو امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرتے اور اس کے ساتھ تعلقات تھے۔ امیہ بن خلف جب مدینہ طیبہ آتا حضرت سعد رضی کے یہاں ٹھہرتا۔ جب یہاں سے ہجرت کا قصہ پیش آیا صحابہ کرام رضی مدینہ طیبہ میں ٹھہرے۔ ایک مرتبہ حضرت سعد رضی آئے اور اُکرا اپنے معمول اور طرز کے مطابق امیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے۔ امیہ سے کہا میرا جی چاہتا ہے طواف کرنے کو، کونسا وقت مناسب ہے۔ اس نے کہا دن چڑھے مناسب ہے۔ دن چڑھے گئے طواف کرنے کو وہاں ابو جہل بھی تھا۔ ابو جہل نے کہا امیہ سے، یہ تیرے ساتھ کون ہے۔ اس نے کہا یہ سعد ہے۔ ابو جہل نے کہا جو لوگ ہمارے بائیں تھے مخالف تھے ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی اپنے یہاں ٹھہرایا اور مزے سے طواف کرتے ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تم لوگوں نے ٹھکانا دیا، اپنے یہاں ٹھہرا دیا۔ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہم نے ان کو نکالا ہے۔ اور آج تم ہمارے علاقے میں طواف کرتے ہو خوشی خوشی۔ اس پر حضرت سعد رضی نے کہا دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ روکوں گا

دستور یہ تھا کہ قریش مکہ کے رہنے والے ملک شام جایا کرتے تھے۔ ایک سفر تو وہ کرتے تھے یمن کا اور ایک سفر کرتے تھے شام کا۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے:
 لَا يَلْفِ قَرِيشٌ إِلَيْهِمْ رِحْلَةً
 الشَّاءِ وَالصَّيْفِ
 اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں۔

ایک جگہ جاتے تھے سردی کے زمانے میں اور ایک جگہ جاتے تھے گرمی کے زمانے میں اور سارے سال کی ضروریات وہاں سے خرید کر لاتے تھے بکے والوں کے لئے اور جتنے ڈاکو چور تھے وہ قریش کے قافلے کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ شام جانے کا راستہ مدینہ طیبہ کے قریب تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا ملک شام جانے کا جو راستہ ہے مدینہ طیبہ میں تمہارا وہ راستہ روکوں گا۔ شام نہیں جا سکے گا۔ اُمیہ نے کہا سعد سے زور سے نہ بول ابو جہل کے سامنے یہ قوم کا بڑا آدمی ہے، یہاں کا سردار ہے، انھوں نے اسے بھی ڈانٹا۔ میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے قتل کریں گے۔ اب اُمیہ نے کہا مجھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ کہاں کے میں کہ کہیں اور۔ کہا یہ نہیں بتایا کہاں۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات اس کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ بالکل غمگین ہو گیا۔ پھر جا کر اپنی بیوی سے گھر میں کہا کہ سعد نے ایسا کہا۔ چنانچہ میں مکہ سے نکلوں گا ہی نہیں، آئے میں ہی بیٹھوں گا۔ اس واسطے کہ مکہ پر ان لوگوں کا اتنا تسلط تھا قبضہ تھا کہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آ ہی نہیں سکتے قتل کی نوبت آئے گی تو باہر ہی آئے گی۔ میں باہر جاؤں گا ہی نہیں۔ یہ بیوی سے بھی کہہ دیا۔ پھر جب بدر کا قصہ پیش آیا۔ ابو جہل لوگوں سے کہتا ہے چلو بدر چلو بدر تو اُمیہ سے بھی کہا۔ اُمیہ نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قتل کریں گے۔ ابو جہل نے ہی پڑھائی۔ اگر تو نے انکار کیا تو

اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے، تو چل تھوڑی دور پھر چلے گئے واپس آ۔ اس نے کہا اچھی بات ہے۔ بیوی سے کہا ذرا سامان تیار کرنا میں جا رہا ہوں۔ اس نے کہا یاد نہیں رہا تمہارے دوست سعد نے کیا کہا تھا۔ کہا مجھے یاد ہے لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا جلدی واپس آؤں گا۔ گیا اور چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ بدھ پہنچا اور اللہ نے وہاں قتل کرایا۔ اہل کے جی کے اندر غیر اختیاری طور پر ایسی بات بیٹھ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی وہ ہو کے رہے گی لیکن ایمان اس کا نام نہیں۔ ایمان نام ہے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اور طے کر دینا کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گزرے گی۔ اس فیصلے کا نام ایمان ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

دوسرا حق کیا ہے؟ عقیدت کا۔ عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو سچا رسول مانے اور یقین کے ساتھ جانے کہ نجات اسی میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نجات ہے۔ اور یہ طے کر کے فیصلہ کرے کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گزرے گی۔ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ کر دوں گا۔ یہ عقیدت ہونا ضروری ہے دوسرا حق۔

تیسرا حق ہے اطاعت کا۔ محبت بھی ہو عقیدت بھی ہو مگر اطاعت نہ ہو۔ اس کی مذمت آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں۔ بخشتی جاؤں گی، وہاں اپنا عمل کام آئے گا۔ دنیا میں پیسے روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے لیکن عمل کرو۔ اپنا عمل کام آئے گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ ایسی محبت تھی جس کو بیان نہیں کر سکتے۔ اتنی محبت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں خدمت اقدس میں،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے آنا ہوا۔ فاطمہ رضی عنہا نے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے روٹی پکائی تھی، میرا جی نہ مانا کہ آپ کے بغیر خود کھاؤں۔ اس لئے آپ کے واسطے لے کر آئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی عنہا کو دیکھتے تھے تو ان کو گلے سے لگا لیتے، لپٹا لیتے، سینے سے لگا لیتے، پیار کرتے ان کو، بڑی محبت فرماتے۔ فرمایا اہل جنت بیویوں کی فاطمہ سردار ہے، فاطمہ سیدہ ہے، جنت میں جتنی عورتیں جائیں گی، سب کی سردار حضرت فاطمہ رضی عنہا ہیں۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی زیادہ تھی، عقیدت بھی، جانتی تھیں کہ سچے رسول ہیں، ایمان لائیں، کبھی کچھ تھا۔ لیکن ان کو بھی فرمایا کہ بغیر اطاعت کے کام نہیں چلے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی پھوپھی ہوں، بخشتی جاؤں گی۔ اپنے اعمال کام آئیں گے اس رشتہ داری کی بنا پر کوئی نہیں بخشتا جائے گا۔ اگر رشتہ داری کی بنا پر کوئی بخشتا جاتا تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے بخشتے جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کے باپ تھے مگر بخشش ہوتی تو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کی بیوی تھیں لیکن نہیں ایسا نہیں۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ
النَّهْمُ آيَةُ ۳۹ پارہ ۲۷

انسان کو (ایمان کے باسے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔ (بیان القرآن)

جو آدمی خود ایمان لایا اس کا ایمان اس کے لئے ذریعہ نجات ہے۔ اور اگر اس کے خاندان کے دوسرے لوگ ایمان لائیں وہ ذریعہ نجات نہیں۔ کوئی شخص یوں سوچے کہ میں بڑے گھرانے کا آدمی ہوں، بخشتا جاؤں گا۔ اس کو سوچنا چاہیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو فرمایا، تو پھر اور کے لئے گنجائش ہے۔

سوچنا چاہیے کہ کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہوں۔ ہاں بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن خود اپنا عمل بھی ہونا چاہیے۔ اگر آپے پاس کچھ نہیں تو بادشاہ کو نسی گدی پر بٹھا دے گا۔ اس لئے اطاعت کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ممبر پر۔ آپ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اجْلِسُوا اے لوگو بیٹھ جاؤ۔

جو جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ یہ نہیں سوچا کہ میں پہلی صف میں بیٹھوں، دوسری صف میں بیٹھوں، جس کے کان میں یہ آواز آئی وہ وہاں پر ہی بیٹھ گیا۔ یہ تھی اطاعت، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد سے باہر تھے مسجد کے اندر نہیں آ سکے ان تک یہ آواز پہنچ گئی، باہر ہی بیٹھ گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ابن مسعود اندر آ جاؤ، تو وہ آ گئے۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، مسجد کے اندر بیٹھنے کو کہا۔ یا میں مسجد کے اندر جا کے بیٹھوں گا، یہ نہیں سوچا۔ سوچتے کیسے ان حضرات کو ہر وقت موت کا تصور غالب رہتا تھا۔ اگر یہ سوچتے کہ اندر چل کے بیٹھوں گا۔ کیا خبر تھی کہ اندر پہنچنے سے پہلے پہلے موت آ جائے، گردن پکڑ لے۔ کل قیامت میں سوال ہو گا ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تمہارے کانوں میں پرکے بیٹھ جاؤ، تم بیٹھے کیوں نہیں؟ کیا انھوں نے کہا تھا کہ اندر آ کے بیٹھ جاؤ۔ اس لئے فوراً حکم کی تعمیل کرنا ان حضرات کا کام تھا۔ اور موت کا تصور ان حضرات کو ایسا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی دیوار کو لپ رہے تھے، ان کی والدہ بھی لپ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کر رہے ہو۔ عرض کیا حضرت دیوار لپ رہے ہیں پرانی

ہو گئی ہے۔ گر جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے لیپ رہے ہیں تاکہ کچھ وز کھڑی رہے دیوار۔ فرمایا کہ موت اس سے قریب ہے۔ دیوار کے متعلق تو تم انداز لگا رہے ہو اتنی دیر تک کھڑی ہے گی۔ لیکن موت اس سے قریب ہے۔ موت نہیں دیکھتی، جلدی سے جلدی بھی آ جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ادنیوں پر سوار تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود، تشریف لے جا رہے ہیں۔ سرخ چادریں یمنی ادنیوں پر پڑی ہوئی ہیں اور ایک عجیب منظر تھا خوشنما۔ حضرت م نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سُرخی کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں۔ بس فوراً سے کودے، ادنیوں سے چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر ختم کیا۔ جو چیز آقائے نامدار کو ناپسند ہو اس کو رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ تھا اطاعت کا مادہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایک جبہ پہن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ریشمی جبہ تھا۔ حضرت نے فرمایا ریشم تو مرد کے لئے ناجائز ہے۔ اُٹھے جبے کو اُتارا۔ سامنے تنور تھا روٹی پکانے کا۔ جا کے تنور میں ڈالا جبے کو آگ میں۔ دوسرے وقت حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جبے کا کیا ہوا۔ عرض کیا حضرت میں نے اس کو جلا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا۔ بچوں کے لئے کپڑے بنوا دیئے۔ اُن کے لئے درست تھا۔ لیکن بھائی جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جمی ہوئی ہے ہر چیز کی محبت پر غالب ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لباس ناپسند ہے۔ وہ تو یہ سوچتا بھی نہیں کہ کسی اور کام اُسکتا ہے کہ نہیں۔ وہ تو یہ سمجھے گا کہ وہ چیز آگ میں جلانے کے قابل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو ناپسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا داعیہ یہاں تک تھا کہ حضرت علی رضا اونٹ پر سوار ہوئے سفر میں جانے کے لئے۔ آپ نے چند کلمات پڑھے سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ اونٹ کو قمچی ماری، ہنسے۔ کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ اسی طرح اونٹ پر سوار ہوئے تھے اسی طرح یہ کلمات پڑھے۔ اسی طرح اونٹ کو قمچی ماری اور ہنسے۔ اتنی اتنی باتوں پر حضور کا اتباع کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کرتے ہوئے ایک جگہ اونٹ سے اترے اور ایک درخت کے نیچے ذرا دیر لیٹے۔ آرام کیا اور اس کے بعد سوار ہوئے چل دیے۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ اتنی دیر آرام فرمایا ہے۔ ایک جگہ اترے اپنے اونٹ سے۔ اونٹ کو بٹھایا، خود بیٹھ گئے جیسے آدمی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھتا ہے۔ پیشاب تو نہیں کیا۔ بس بیٹھ گئے پیشاب کرنے کی ہیئت بنائی۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ کہا کہ اس جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا تھا۔ تو انھوں نے پیشاب تو نہیں کیا۔ ہاں وہ ہیئت بنا کر بیٹھے۔ یعنی جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر نہیں کی تھیں، اپنی ضرورت کے لئے کہیں، ان میں بھی یہ لوگ اتباع کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں کیا عمل کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا صبح اٹھو اور آجاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس، تو دیکھتے رہو جس طرح یہ وضو کرتے ہیں سمجھ لو اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے،

جس طرح یہ نماز پڑھتے ہیں، نماز میں قیام، رکوع، سجدہ، فقہہ کرتے ہیں، سمجھ لو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے کرتے تھے۔ جس طرح یہ چلتے ہیں سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح چلتے تھے۔ جس طرح کسی کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح یہ بیٹھتے ہیں، کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح۔ غرض کہ ہر چیز میں انھوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگ لیا تھا، ڈھال لیا تھا۔

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس دنیا میں۔ اور کہا کہ ہم کو ایسی زندگی چاہیے جیسے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ آج ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر، مجلس میں بیٹھ کر چاہے محبت کے دعوے کریں کہ ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت محبت ہے، لیکن دیکھنا چاہیے کہ اس محبت کا اثر ہمارے دلوں پر کتنا ہے؟ تو ہم اپنے گھر میں اپنی مجلس میں بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بہت محبت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہماری صورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کے مطابق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ وہ ادھر آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُدھر منہ پھیر لیا۔ معلوم ہوا کیا بات ہے کہ تمہاری داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں فرمایا اور ناخوش ہو کر چہرہ مبارک پھیر لیا۔ آج ہمارا جو حال ہے، ہمارے دل میں کبھی خیال بھی آتا ہے اس کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا داڑھی کا منڈانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اَعْفُوا اللّٰہِیْ اور اَرْحُوا اللّٰہِیْ۔ داڑھی بڑھاؤ۔ داڑھی لٹکاؤ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم ہے اور ہم کٹا کٹا کے منڈا منڈا کے اسے ختم کر دیں۔ یہ محبت کا تقاضا نہیں، یہ عقیدت کا تقاضا نہیں، یہ اطاعت کا تقاضا نہیں۔ لہذا بغیر عقیدت اور اطاعت کے جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ کب قابل قبول ہے؟ قابل قبول نہیں اس کا دعویٰ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بے شمار بھری ہوئی ہیں۔ ہر چیز کے متعلق ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ جو لوگ زیادہ عبادت کریں ایسی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

تین شخص آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر۔ اور پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر کیا عمل کرتے ہیں، دن بھر کیا کرتے ہیں؟ بتلایا کہ رات میں یہ عمل کرتے ہیں، دن میں یہ عمل کرتے ہیں۔ ان تینوں نے آپس میں یہ معاملہ طے کر لیا، عہد کر لیا۔ ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا۔ ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھوں گا بالکل نہیں لیٹوں گا۔ بالکل نہیں سوؤں گا۔ ایک نے کہا کہ میں شادی نہیں کروں گا، عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلا کر فرمایا۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، تم سے زیادہ تقویٰ مجھ کو حاصل ہے۔ لیکن میں رات میں سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، ایسا نہیں کہ ساری رات جاگوں بلکہ رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں، کچھ نماز پڑھتا ہوں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھوں۔ عامۃً معمول تھا پیر کو اور جمعرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روزہ بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور گنہ گار لوگوں کو معاف فرماتے ہیں۔ میں

چاہتا ہوں کہ میرے نامہ اعمال ایسے حالات میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔ اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔ یعنی اگر ساری رات جاگنا، ساری رات عبادت کرنا اور پھر نکاح نہ کرنا۔ اگر ان چیزوں کو کوئی اختیار کرتا تو وہ قابل قبول نہیں۔ تو جو چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ گناہ ہیں ہی۔ جو چیزیں عبادت اور عبادت ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق نہ ہوں وہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ مقبول وہ چیزیں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں وہ مقبول۔ جس طرح رکوع کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح سجدہ کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح قرآن پاک پڑھتے، لباس پہنتے وہ مقبول، جیسی صورت مبارکہ وہ مقبول، اور جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بڑا نبی، بڑا انعام ہم کو ملا۔ اس کے مطابق شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور شکر کرنے کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں جو میں نے بیان کی۔ کہ محبت اعلیٰ درجہ کی ہو، عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کسی بات پر یقین نہیں۔ اپنے اعمال پر یقین نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین ہے، تیسری چیز اطاعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی اختیار کرنا۔ یہ تین حق ہیں۔ اگر ان تین حقوق کو ادا کیا تو اللہ کے یہاں مقبول۔ اگر ادا نہیں کیا تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ دنیا میں بھی بڑی عزت، آخرت میں بھی بڑی عزت اطاعت سے ہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا بات تھی؟ یہی بات تھی کہ ہر ایک ان میں سے اطاعت کرتے تھے کہ ہر کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

www.ahlehaq.org

حقوق مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا فرض عین ہے اسی آیت کی وجہ سے آیت شریفہ میں حکم ہے، امر کا صیغہ ہے پڑھو اس لئے فرض عین ہے زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ پڑھنا بالاتفاق فرض ہے اس کے بعد جب نام مبارک زبان پر آئے کان میں پڑے صلوٰۃ و سلام پڑھنا واجب ہے۔

ایک مجلس میں بار بار نام مبارک آتا ہے مثلاً بخاری شریف کا سبق ہو رہا ہے آپیں بار بار آتا ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَشْكُوءٌ كَاسَبَقَ هُوَ رَاهُ اس میں حدیثیں موجود ہیں یا وعظ ہو رہا ہے اس میں بار بار نام مبارک آتا ہے اس میں فقہاء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ایک دفعہ درود شریف پڑھ لیا تو کافی ہو جائے گا تو تداخل ہو جائے گا۔ واجب ادا ہو جائے گا۔ جیسے ایک آیت بجدہ کو ایک آدمی ایک مجلس میں بار بار پڑھتا ہے تو ایک ہی بجدہ سے سب کی کفایت ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی دوسرا قول ہے کہ نہیں بلکہ ہر مرتبہ واجب ہے پہلے قول میں توتع ہے اور دوسرے قول میں تورع ہے احتیاط اور احترام کا تقاضہ ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھا جائے اللہ تعالیٰ بھی صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں ملائکہ بھی پڑھتے ہیں اور انسانوں کو جو حکم ہے وہ بھی پڑھتے ہیں۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ علامہ نے اس پر ... بحث کی ہے کہ کیا سب کا صلوٰۃ و سلام ایک ہی معنی میں ہے۔ لفظ صلوٰۃ کی اسناد جب حق تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کے معنی کچھ اور ہیں ملائکہ کی طرف

نسبت لی جائے تو اس کے معنی اور میں اور افراد بشر افراد جن کی طرف کی جائے تو اس کے معنی کچھ اور ہیں کچھ بھی معنی ہوں علماء کی تحقیقات میں لیکن صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے پڑھنا چاہئے حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی نے ترجمہ کیا صلوٰۃ کا اللہ صلا کا دلار محمد صاحب بیر۔

ملائے صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اس کے معنی کچھ اور ہوں گے انسان اور جن جو صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اس کے معنی کچھ اور ہونگے مفہوم یہ کہ رحمت کاملہ اور سلامتی دارین کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا ہے سب کو کرنا لازم ہے پہلے دستور تھا کہ بادشاہ کے لئے سب دعا کرتے تھے رعیت کے آدمی دعا کرتے تھے امیر غریب ملازم ہو سب دعا کیا کرتے تھے۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں

نگہدار یارب بچشم خودش ہر سبز ز آسب چشم بدش
خدا یاد آفاق نامی کنش بتوفیق طاعت گرامی کنش
مقیمش در انصاف و تقویٰ بدار مرادش بدینا و عقبیٰ برآر
غم از دشمنی ناپسندت مباد زدوران گیتی گزندت مباد

ایک قاضی صاحب تھے گاؤں میں تبلیغ کے جوش میں آکر جتنے ان کی رعیت میں لوگ بے تھے سب کو حکم فرمادیا نماز پڑھا کریں اگر کسی نے نماز نہیں پڑھی تو گاؤں سے نکال دوں گا لوگوں نے پڑھنی شروع کر دی ایک بوڑھیا تھی وہ اپنے کسی عزیز کو وضو کے وقت کہتی ارے لوٹا اٹھلا پانی کا قاضی کی جان کو ردولوں قاضی کو رونے کے لئے پانی کا لوٹا منگائی تھی یہ اس کی جان کا رونا تھا۔ اتنا مشکل کام ہو گیا اس کے لئے۔

حرم شریف میں دیکھا سلطان آئے اس زمانہ میں مصر سے تعلقات بہت اچھے تھے بار بار مصری لوگ ینصرک اللہ، ینصرک اللہ دعائیہ کلمہ کہہ رہے ہیں بادشاہ سلطان سعود کے لئے اللہ تیری ما ذکرے توجس کو جتنی گہری محبت ہوتی ہے اور جس کے دل میں جتنی زیادہ عظمت

ہوگی اسی قدر اس کے لئے دعائیں کرے گا، آداب بجالائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بشمار ہیں اولاً تو گننا دشوار ہے، کتنے حقوق ہیں۔ کیوں یہ آسمان زمین کس کیلئے ہے چاند سورج ستارے کس کے لئے بنے ہیں، ہوائیں کس کے لئے درخت اور قسم قسم کے جانور کس کیلئے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمانا نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا، ہر چیز کا جو وجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر شیخ اکبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہتے ہیں کہ آپ سید الوجود ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سید الوجود کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

نیز لکھا ہے جس مادہ سے جسم تیار ہوتا ہے، قلب کا مادہ اس کے اعتبار سے لطیف ہوتا ہے انسان کے بدن میں جتنے اعضاء ہیں ان میں احساسات سب میں یکساں نہیں فرق ہے پیر میں احساس اور ہے پتھر پر بھی چلتا ہے گرم ریت پر بھی چلتا ہے کبھی کاٹا چھ جاتا ہے جتنا کام پیر کیا جاسکتا ہے ہاتھ سے نہیں لیا جاسکتا۔ ہاتھ میں پیر کے مقابلہ میں برداشت کا مادہ کمزور ہے پیر میں تحمل کا مادہ زیادہ ہے۔ آنکھ میں ایک تنکا ذرا سا گر جائے آنکھ برداشت نہیں کر سکتی۔ قلب سب سے زیادہ لطیف ہے، پیر کچھ دیر چلے گا تھک جائے گا، ایک حد تک چلنے کی طاقت نکلی گئی ہے۔ اسی طرح ہاتھ بوجھ اٹھاتا ہے ایک کلو دو کیلو پانچ کلو پچاس کلو نہیں اٹھا سکتا زبان سے آدمی بولتا ہے اپنی آواز کو آدمی دور تک پہنچاتا ہے۔ آواز ایک حد تک پہنچتی ہے اس کے آگے نہیں پہنچتی آنکھ سے دیکھتا ہے دور تک کی چیز نظر آجاتی آسمان کے ستارے بھی نظر آجاتے ہیں جتنی سرعت سے آدمی پیر سے چلتا ہے اس سے کہیں زیادہ آنکھ کی رفتار سریع ہے۔ یہ تو ظاہری چیزیں ہیں لیکن انسان کے جسم میں جو قلب رکھا ہوا ہے جو انسان کے جسم کے تمام اعضاء کا بادشاہ اس کی قوت سب سے زیادہ قوی ہے اس کا مادہ سب سے زیادہ لطیف ہے آنکھ کی جتنی قوت ہے اس سے کہیں زیادہ قلب کی ہے آنکھ آسمان پر جاتی ہے قلب اس سے آگے پہنچتا ہے عرش بھی پہنچ جاتا ہے، لوح محفوظ پر پہنچ جاتا ہے جتنی سرعت سے آنکھ چلتی ہے اس سے کہیں زیادہ سرعت سے قلب چلتا ہے تو قلب کا مادہ زیادہ لطیف ہے اس لئے اس کا

ادراک بھی زیادہ قوی ہے اور جس مادہ سے عوام کے قلوب بنائے جاتے ہیں اس مادہ سے خواص کے اجسام بنائے جاتے ہیں تو ان کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں اور جس مادہ سے خواص کے قلوب بنائے جاتے ہیں اس سے انبیاء علیہم السلام کے اجسام بنائے جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں اور جس مادہ سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے قلوب بنائے گئے اس مادہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر بنایا گیا لہذا آپ کا قلب مبارک اور زیادہ لطیف ہے جو شئی جس قدر زیادہ عزیز جس قدر زیادہ لطیف جس قدر محسن ہوتی ہے اسی قدر اس کا شکر یہ ادا کرنا بھی لازم ہوتا ہے اس کی شان کے موافق مقولہ مشہور ہے ۔ شکر المنعم واجب منعم کا شکر واجب ہے ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات کو دیکھا جائے تو ساری کائنات سارا عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بنایا گیا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

السلام اے سید اولاد آدم السلام ؛ السلام اے باعث ایجاب عالم السلام
اس کے علاوہ قرآن کس کے طفیل میں ملا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں نماز
روزہ کس کے طفیل میں حضور اکرم صلی اللہ کے طفیل میں ۔ دنیا کی اور آخرت کی جتنی نعمتیں ملی
ہیں حضور اکرم کے طفیل میں ملی ہیں لہذا حضور کے حقوق سب سے زیادہ ہیں تلاش کرنے سے بنیادی طور
پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو تین قسموں میں سمویا جاسکتا ہے ۔

ایک محبت ، دوسرے عقیدت ، تیسرے اطاعت یہ تین چیزیں ہیں ان تین چیزوں
کو اگر نبھایا جائے تو انشاء اللہ سارے حقوق اس میں آجائیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذات مقدسہ سے محبت کرنا ہر ایک کے لئے لازم ہے پھر محبت دو قسم کی ہوتی ہے ۔
ایک طبعی جو غیر اختیاری ہوتی ہے ، ایک عقلی ہوتی ہے ان کے احسانات کو کمالات کو ان کی
بڑائی کو دیکھ کر سوچ کر سمجھ کر کی جاتی ہے ۔

ایک شخص ہے اس کی پچی ہے تین برس کی وہ شخص سفر سے گھر گیا ہے پچی آئی ابا ابا

کہتی ہوئی بچی کو گود میں اٹھایا اس کے گال کو بوسہ دیا اس کے واسطے بسکٹ لے گیا تھا اس کو نکال کر بچی کے منہ میں رکھ دیا۔ ایک محبت یہ ہے محبت کا تقاضہ چھوٹے بچوں کے ساتھ یہ ہے اور وہ ہی بچی بڑی ہو جائے جو ان ہو جائے وہ بات نہیں رہی کہ اس کے منہ میں نوالہ دیا جائے اس کو گود میں بٹھایا جائے محبت کا رنگ بدل گیا محبت کا لحاظ دوسرے عنوان سے ہوتا ہے باپ کے ساتھ محبت اور طرح کی ہے، اولاد کیساتھ محبت اور طرح کی ہے۔ تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے ساتھ محبت کیسی ہونی چاہیے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ نرالی ہے نہ آپ جیسا کوئی ہو نہ ہوگا۔ یعنی ویسے تو اِنَّا اَنَابَ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہے۔ بشریت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے مثل ہیں لیکن جو کمالات حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں وہ کمالات کس کے پاس ہیں، کسی کے پاس نہیں ہیں اسی واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک مٹلی مجھ جیسا تم میں کون ہو سکتا ہے بُطْعُنِي وَنُفِئْنِي دینی میرا رب مجھے کھلا بھی دیتا ہے، پلا بھی دیتا ہے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو محبت ہے نرالی ہونی چاہیے جو سب سے جداگانہ محبت ہو، جس کا نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں پھیلا ہوا ہے لکھا الفاظ سے تعبیر کرنا دشوار ہے اس کی تعبیر کے واسطے صورت یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق بیان کیا گیا ہے یعنی عقیدہ اس کے اندر آجائے جو محبت ہو وہ محبت عقیدت کی شکل میں یعنی چاہیے عقیدت کی شکل میں ہونے کا کیا مطلب۔ عقیدت کی شکل میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلوب کے اندر پختہ طور پر یہ بات جمی ہوئی ہو کہ ہمارے سب سے بڑے حسن مخلوقات میں سب سے بڑے منعم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرما دیا سب حق اور سچ ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے لیڈروں، ڈاکٹروں، اور دانشوروں کی بات غلط ہو سکتی ہے۔ مگر.....

..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا وہ صحیح ہے عقیدت کا حاصل یہ ہے، ہماری زندگیوں کو جو کامیاب بنانے والی چیز ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ہے۔ اگر

حضور اکرم کے ساتھ عقیدت ہوگی تو ہماری زندگی کا میاں ہے عقیدت نہیں ہے تو زندگی ناکام ہے۔ یہ عقیدت ہونی چاہیے۔ پہلی عورت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت تھی چالیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو انھوں نے دیکھا بچپن میں وہ کھیل کھیلتے نہیں تھے۔ جو کھیل دوسرے بچے کھیلتے تھے بڑے ہو کر وہ شوخی نہیں کی جو اور بچے کرتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر جو بچے کے دل میں جذبات ہوتے ہیں وہ جذبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں نہیں تھے۔ دیانت داری سب کو مسلم تھی سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کہتے تھے صدق کہتے تھے اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے کبھی کسی کے پیسہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط جگہ خرچ نہیں کیا کبھی زبان مبارک سے کوئی غلط لفظ نہیں نکلا کبھی کسی کو ذلیل حقیر کرنے کے لئے کوئی لفظ نہیں فرمایا۔ نگاہ مبارک سے کسی کو حقیر چھوٹا نہیں سمجھایا یہ سارے کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے، اور اہل عرب کو تسلیم تھے۔ پھر بھی جس وقت میں عار حرام میں وحی نازل ہونا شروع ہوئی اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آیت مبارکہ نازل ہوئی **وَإِذْ ذُرُّعَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائے حق تعالیٰ کی جانب سے پہلے جو تبلیغ کا حکم ہوا تو وہ قریبی رشتہ داروں کے لئے ہوا اور وجہ اس کی یہی تھی کہ جو آدمی حق تعالیٰ کے احکام کو پہنچا دے بحیثیت نبوت، بحیثیت رسالت اس کی زندگی نہایت پاک و صاف ہونی چاہیے اور اس کا تجربہ گھر والوں کو سب سے زیادہ ہوتا ہے وہ دیکھتے ہیں جانتے ہیں، سمجھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کیلئے بلائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر جا کر آواز دی نام لے پیکر خاندان کے لوگوں کو پکارا، اس زمانہ میں بلد نگلیں اتنی نہیں تھیں جتنی اب ہو گئیں مکہ مکرمہ کی اتنی آبادی نہیں تھی جتنی اب ہو گئی اور اللہ کے رسول کی آواز تھی اللہ تعالیٰ نے پہنچادی اگر یہ براہ راست بھی ہوتا اور اللہ کو پہنچانا منظور ہوتا تو بھی پہنچا دیتے۔ بہر حال وہ آواز پہنچ گئی لوگ گھبرا گئے اس آواز کو سن کر اس لئے کہ کسی معمولی شخص کی آواز نہیں تھی یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی اور اللہ کے حکم سے تھی۔

شانِ جلالت کی یہ آواز تھی لوگ گھبرا گئے اور آئے جلدی جلدی اپنا کام چھوڑ کر آئے اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکتا تھا دوسرے آدمیوں کو بھیجا کہ تم جاؤ وہ آئے جمع ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی حکمت اور دانشمندی سے پہلے بطور امتحان ایک بات کا اقرار لیا فرمایا بتاؤ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ یہاں دامن کوہ میں ایک دشمن پڑا ہوا ہے صبح ہوتے ہی تم پر حملہ آور ہو گا کیا تم مجھے سچا جانو گے عرب میں دستور یہ تھا دشمن اخیر شب میں شبخون مارا کرتا تھا۔ جب غفلت کا وقت ہوتا ہے تب دشمن لوگ شبخون مارتے تھے پہلے سے پتہ چل جائے تو پہلے سے انتظام کر لیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم مجھے سچا مانو گے سب نے ایک ہو کر آپ کے متعلق کبھی غلط بیانی کا تجربہ نہیں ہوا۔

چالیس سال کی اتنی پاکیزہ زندگی کبھی زبان مبارک سے کوئی غلط لفظ نہیں نکلا یعنی آپ کو سچا مانینگے چاہے دشمن نظر آوے یا نہ آوے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا یہ لوگ مجھے سچا مانتے ہیں مبری سچائی کا انھوں نے اقرار کر لیا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا اس مجمع میں جو سب سے زیادہ محبت کا دم بھر نیوالا محبت کا نعرہ لگانے والا تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابو لہب تھا سب سے پہلے ابو لہب نے تکذیب کی اور کہا تیرا ہاتھ ٹوٹے، تو نے اس واسطے یہاں جمع کیا تھا نفوذ باللہ بغیرت خداوندی جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا جواب خود عنایت فرماتے ہیں قَتَبَتْ بِهَا ابْنِ لَهَبٍ ابُو لَهَبٍ کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خالی محبت پر اکتفا کرنا اور یہ سمجھنا کہ محبت ہی ہمارے لئے کافی ہے، غلط ہے ابو لہب کو کتنی محبت تھی خدا جانے کتنی دفعہ گود میں لیا ہو گا۔ چچا تھا یہاں تک کہ ابو لہب کی ایک باندی تھی جس کا نام ثویبہ تھا اس نے آکر اطلاع دی ابو لہب کو بھتیجا پیدا ہوا عبد اللہ کے گھر میں بچہ پیدا ہوا اس کو بڑی خوشی ہوئی اور اس

بشارت کے صلہ میں اس نے اس باندی کو آزاد کر دیا ہاتھ کے اشارہ سے اور پھر ایک زمانے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سنائی کچھ لوگ ایمان لائے کچھ لوگوں نے انکار کیا حضرت عباسؓ نے خواب میں دیکھا اس کے مرجانے کے بعد پوچھا کیا حال ہے کیسے گزر رہی ہے کہا سخت عذاب میں مبتلا ہوں صرف وہ انگلی جکے اشارے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر سن کر باندی کو آزاد کیا تھا وہ عذاب سے بچ گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے جس انگلی سے اشارہ کیا تھا وہ انگلی عذاب سے بچ گئی بھائی لوگ اس کو خوب رورو کر بیان کرتے ہیں محبت کی وجہ سے ابو لہب بھی بچ گیا ہاں پچ گیا، کہاں سے قرآن میں ہے سَيَطْلِي نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ " پھر خواب بھی کس کا حضرت عباسؓ کی بیداری کی حالت نہیں ہے خواب کی حالت ہے، نبی کے خواب کی ضمانت لی گئی ہے کسی اور کے خواب کی نہیں اور یہ کہنا کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں کیا یہ بھی بچا ہے اور پھر بھی کہتے ہو صرف ایک انگلی پگھلی اور باقی سارا جسم اور پھر کندھوں پر اٹھایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور گود میں لیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کچھ بھی نہیں بچا خالی محبت کافی نہیں ہے محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت بھی ہونی چاہیے۔ ابو لہب کو عقیدت نہیں تھی ابو جہل سے پوچھا انفس ابن ثمر بن ابی جہل نے ابو جہل اب بتا اب تو کوئی اور نہیں ہے پچ بتا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے ہیں تو اس نے کہا دیکھ بھائی بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے نہیں جو بولتے ہیں وہ جھوٹ ہے جو وحی آتی ہے وہ جھوٹ ہے کیونکہ اس کا تجربہ نہیں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چالیس سال تک تجربہ کیا تھا ان کے اوپر جھوٹ کے الزام کی ہمت ہونی نہیں اسی لئے دیکھے ایمان کی بنیاد میں شہادتیں کو رکھا صرف توحید کافی نہیں ہے بلکہ رسالت بھی ضروری ہے اگر رسالت پر ایمان نہ ہوگا تو نجات نہیں ہوگی۔

مولانا جامیؒ نے کتاب نفحات الانس لکھی ہے اس میں لکھا ہے سفر میں جلتے ہوئے ایک جگہ مسجد میں ٹھہرنا ہوا خواب میں دیکھا مسجد کے دوسرے حصے میں مجمع ہے پوچھا کیا مجمع ہے

کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں میں بھی پہنچ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی میں نے چند آدمیوں کے متعلق پوچھا فلاں شخص جس کا دنیا سے انتقال ہو چکا تھا اس کا کیا حال ہے۔ امام غزالی کے متعلق پوچھا امام غزالی کہاں ہیں فرمایا رحل فاربالمقصود وہ مقصد میں کامیاب ہو گئے کسی نے ابن سینا کے متعلق پوچھا ابن سینا کہاں ہے فرمایا اس نے چاہا تھا میرے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ہو جائے اس کو دکھا دیا گیا جہنم میں جائے گا اس لئے کہ اللہ تک رسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر یہ ممکن نہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت لازم ہے۔ تب ہی جا کر محبت کا رآمد ہے ابو لہب کو محبت تھی بسا اعراب کو محبت تھی مگر عقیدت نہیں تھی لہذا وہ محبت نجات اخروی کا ذریعہ نہیں بنی جب تک عقیدت حاصل نہیں ہوئی۔

تیسری چیز ہے اطاعت، عقیدت کے ساتھ ساتھ اطاعت بھی ہونی چاہیے جب دوسری چیزیں اعلیٰ درجہ کی ہونگی ایک محبت ایک عقیدت تو اطاعت بھی اعلیٰ درجہ کی ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت کے واسطے بھی فرمایا، محبت عقیدت کے واسطے بھی ان سب چیزوں کو صحابہ کرامؓ کی زندگی میں دیکھنے کی ضرورت ہے احادیث میں آتا ہے سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپر بنادیا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھپر میں رہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا چھپر دیکھ کر آجائے اور حضرت ابوبکرؓ کو پہرہ دار مقرر کیا تھا حضرت ابوبکرؓ پہرہ پر تھے۔ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دشمنوں میں نظر اٹھا کر دیکھتا تو حضرت ابوبکرؓ تیر کی طرح اس کی طرف دوڑتے تھے پہرہ کا حق ادا کر کے لے جولوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کیلئے تلوار لیکر آئے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے بھی تھے وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک وقت آیا کہ انھوں نے بھی ایمان قبول کر لیا ایک روز کہنے لگے ابا بدر کے دن آپ میرے نشانے پر آگئے تھے میں چاہتا تو قتل کر دیتا باپ ہونے کا خیال کر لیا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تو نے تو باپ ہونے کا خیال کر لیا۔ اگر تو میرے نشانے پر

آتا تو میں تجھے ضرور قتل کرتا حدیث میں ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ
ایمان دہی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اولاد، والد سب زیادہ ہو اور اس
کا انداز ہوتا ہے مقابلہ سے ایک صحابی کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں
نامناسب کلمہ کہہ دیا برداشت نہیں کر سکے، ایک تھپڑ مار دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں گئے حضور اس طرح سے ہو گیا۔ ایک بات کہہ دی تھی اس پر میں نے والد کو تھپڑ
مار دیا برداشت نہیں کر سکا آپ دعا کر دیجئے میرے والد کو اللہ تعالیٰ ایمان دے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور دعاء مشرف باسلام ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اس طرح ادا کیا کہ ناشائستہ کلمہ کہنے پر باپ کو
تھپڑ مار دیا اور باپ کا حق اس طرح ادا کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی ایمان
کی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی توفیق دی ابوسفیانؓ جب تک ایمان نہیں لائے
تھے فوج کی کمانڈری کیا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں۔

ابوسفیانؓ گئے ہیں اپنی بیٹی کے پاس ان کی بیٹی ام حبیبہؓ حضرت معاویہؓ کی بہن
جب دیکھا ابوسفیانؓ آئے ہیں تو انھوں نے فوراً بستر پیٹ کر رکھ دیا کہنے لگے بیٹی یہ کیا
طریقہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ بیٹی باپ کے لئے بستر بچھاتی ہے بیٹی نے صاف جواب
دیدیا۔ بستر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تم ناپاک ہو اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو معلوم
ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ تھی پہلے مختلف کئی کئی شادیاں کرتے تھے ایک
کے نکاح میں دس دس عورتیں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا چارے زائد
رکھنے کی اجازت نہیں ہے کتنے گہرے تعلقات تھے ان سے راحت بھی پہنچتی تھی لیکن حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو چارے زائد رکھنے کا اختیار نہیں رہا۔ سب نے چار پر کفایت کی
بقیہ کو فوراً الگ کر دیا۔

حضرت حبیبؓ کو گرفتار کر لیا گیا تھا جہاد میں ان کو بچھالیا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو

کہ تم کو چھوڑ دیا جائے اور تمہاری جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ کہا بد نصیبو! تم اس بات کو پوچھے ہو مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنی جگہ پر آرام سے رہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کاٹا بھی چبے۔ غزوہ احد میں حضرت طلحہؓ ہاتھ سے تیر کو روکتے۔ مجھے، جس کی درجہ سب ہاتھ ٹل ہو گیا تھا تیر روکتے روکتے تاکہ دُشمن کا تیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اپنی جان سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فرماتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چنبی بیٹی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی بہت کھتی تھیں عقیدت بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتی تھیں۔ محبت کی دلیل تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمۃ بضعة منیٰ من اذہا فقد اذانی۔ اور عقیدت کی دلیل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمۃ نسبتنا لہا علی الجنۃ۔ اس اعلیٰ درجہ کی محبت اور اعلیٰ درجہ کی عقیدت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے فاطمہ! دنیا میں سے جو کچھ چاہے مجھ سے لیجئے آخرت میں تو اپنا عمل کام آئے گا، اس گھنٹہ میں نہ رہنا کہ میں نبی کی بیٹی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت و عقیدت کیساتھ اطاعت بھی ضروری ہے اور محبت و عقیدت پر بھروسہ کرتے ہوئے طاعت بے پروا ہو جانا محض نادانی ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے ارشاد فرمایا یا ایہا الناس اجلسوا جس نے یہ سنا فوراً بیٹھ گئے۔ جعفر کہ عبداللہ بن مسعودؓ مسجد سے باہر تھے یہ آواز سن کر وہیں بیٹھ گئے۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہ خطاب تو اہل مسجد کو ہے میں جب مسجد میں پہنچوں گا بیٹھ جاؤں گا، ان حضرات کو موت کا بہت استخفا رہتا تھا خطرو یہ بھی تھا کہ خدا جانے مسجد میں پہنچ بھی پاؤں یا اس سے پہلے موت آجائے اور قیامت میں سوال ہو ہمارے نبی کی آواز تمہارے کان میں پہنچی "اجلسوا" اور تم نے عمل نہیں کیا۔ کیا نبی نے یہ فرمایا تھا کہ مسجد میں اندر آ کر بیٹھو۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑی تو ارشاد فرمایا ابن مسعود! آگے آ جاؤ اعلیٰ درجہ کی محبت اعلیٰ درجہ کی عقیدت کے ساتھ ان حضرات صحابہؓ کی اطاعت کا یہ حال تھا۔ اللہ پاک ہم کو بھی اس کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

www.ahlehaq.org

آدابِ صلوٰۃ و سلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ إِلَى قَوْلِ تَعَالَى أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا بڑی سعادت بڑے ایمان کے تقاضے محبت کے تقاضے کی بات ہے جتنا زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے کشمیر کے علاقے میں دیکھا ویاں دستور یہ ہے نماز کے لئے جا رہے ہیں مسجد بھری ہوئی ہے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں دو چار منٹ باقی ہیں نماز شروع ہونے میں ایک شخص کو نہ سے کھڑا ہوا اس نے کہا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ دوسرے نے اس کے جواب میں کہا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اسی طریقہ پر ایک ادھر سے پڑھتا ہے، دوسرا ادھر سے پڑھتا ہے، بعض دفعہ سب ملکر پڑھتے لگتے ہیں، درود شریف زور سے پڑھنا آہستہ پڑھنا سب درست ہے۔ دور سے پڑھنا، نزدیک سے پڑھنا سب درست ہے چاہے غائب کے صیغے سے پڑھے چاہے حاضر کے صیغے سے پڑھے وہ بھی درست لیکن بعض جگہ لوگوں کے عقائد ایسے خراب ہو گئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر جاننے لگے۔ ج طرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر ہے، سب کی پکار سنتا ہے بلا واسطہ بالکل اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں اور بند سلامتی جس طریقے پر پکارتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست کلام کو سنتے ہیں اور بعضوں نے آگے بڑھ کر کچھ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر ہیں جو صفت خاصہ تھی حق تعالیٰ کی اس کو خاص کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس صفت کو ختم کر دیا۔ استغفر اللہ۔

چنانچہ ایک کتاب جالہ حق میں اس کی تشریح کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر ہیں حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں اور ایک مقام میں دیکھا مسجد کے محراب میں کھڑے اس طرح لکھا ہوا ہے کہ دائیں جانب محمد رسول اللہ اور بائیں جانب لا الہ الا اللہ پہلے محمد رسول اللہ بعد میں لا الہ الا اللہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی اور پارٹیاں بن رہی ہیں ایک خدا پارٹی ایک رسول پارٹی۔ ایمانی آپس کی سانس کرتے ہیں خدا اور رسول کو ایک جماعت اس بتائی ہوئی ہے کہ حضور اقدس صحت مکتبہ ہیں جو کچھ لینا ہے لینے محمد سے جہ اللہ کی بھولی میں وحدت کے سوا کیا ہے

اللہ کے پاس تو وحدت رہی اور کچھ نہیں۔ باقی حضور کے پاس سب کچھ ہے وہاں سے لینے۔

غرض یہ افراط و تفریط ہو چکے دنیا میں بہت پریشانی کی بات ہے۔ اس واسطے عقائد کی تصحیح کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ عقیدے پر مدار نجات ہے ایمان کا مدار عقیدے کی صحت پر ہے۔ عقیدہ غلط ہوگا، ایمان خراب ہوگا، نجات نہیں ہوگی اس واسطے اگر کوئی آدمی دوسرے صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے اور صیغہ مخاطب کو حضرت خدا کے ساتھ پڑھتا ہے مثلاً ایک شخص یہاں سے پڑھتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اس طرح پڑھے اور عقیدہ یہ ہے کہ ملائکہ کے واسطے یہ صلوٰۃ و سلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنکر مسرور ہوتے ہیں اور جواب بھی رحمت فرماتے ہیں یہ عقیدہ ہو تو درست ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طریقہ پر ایک شخص اپنے ذہن میں صورت مبارکہ کو تصور کر کے یا روضہ اقدس کو تصور کر کے یہ محسوس کرے میں گویا میرنہ طیبہ میں روضہ اقدس کے سامنے کھڑا ہو کر وہاں سے پڑھ رہا ہوں اس تصور سے پڑھے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں درست ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی آدمی اپنے باپ کو خط لکھتا ہے اس میں خطاب کا صیغہ استعمال کرتا ہے ظاہر ہے باپ اس کو پڑھ رہا ہے سن نہیں رہا ہے۔ البتہ ڈاک کے ذریعہ سے باپ تک پہنچے گا باپ سے گا خطاب باپ کو ہے لیکن ایک شخص باپ کو خطاب کرتا ہے حاضر ناظر جان کر تو یہ غلط طریقہ ہے۔

ایک دفعہ سفر میں تھا خیال آیا جمعہ کا دن ہے فلاں جگہ اتر کر جمعہ کی نماز ادا کروں اور فلاں گاڑی میں جواتے ہی آتی ہے اس میں چلا جاؤں گا تو کوئی خرابی نہیں آئیگی۔ چنانچہ رائے پختہ ہو گئی اتر کر پہنچ گیا۔ جامع مسجد پوچھتے پوچھتے پہنچ گیا وہاں کے امام صاحب نے صورت شکل کر دیکھ کر کہہ تو مولوی ملا آدمی کہا کہ مولوی صاحب کچھ دیر بیان کر دو، ابھی بات اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ابھی وقت تھا بیان کرنا شروع کیا شروع ہی پتہ چل گیا اور طرح کا آدمی ہے اس واسطے کہ اس نے مجمع سے نہیں کہا کہ سب صلوٰۃ و سلام پڑھو درود پڑھو یا ہی نہیں۔ مجمع میں برابر والے ایک شخص کو امام صاحب نے سوال سمجھایا کہ ان سے اس طرح سوال کرو۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا کیسا ہے اگر یہ دیوبندی ہیں تو جائز کہنے کے نہیں اور اگر دیوبندی نہیں ہیں بریلوی ہیں تو جائز کہہ دینگے پس صاف بات ہو جائے گی پتہ چل جائے گا چنانچہ انھوں نے فوراً سامنے آکر سوال کیا کسی نے رد کر دیا کہ یہ کیا طریقہ سوال کرنے کا اس کو میں نے رد کر دیا آپ کو کیا آپ سے نہیں پوچھ رہے ہیں مجھ سے پوچھ رہے ہیں مجھے نماز کے بعد جانا ہے مجھے وقت ملے یا نہ ملے پوچھ لیجئے انھوں نے پوچھا کیوں مولوی صاحب الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا کیسا ہے؟ میں نے جواب دیا دیکھئے اگر آپ اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منور کر رہے ہیں اور اعلیٰ درجے کا آپ کو سنت سے تعلق ہے سارا عمل سنت کے موافق ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہو گئی اور محبت آگے بڑھ کر عشق کے درجہ تک پہنچ گئی اور یہاں سے مدینہ منورہ تک جتنے حجابات تھے سارے آپ کے لئے اٹھا دیئے گئے اور انکو میں کھڑے کھڑا روضہ اقدس ~~ملاحظہ فرمائے~~ نظر آ رہا ہے تو بلا تکلف پڑھئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کسی کے رد کرنے سے نہ رکئے اور اگر حجابات نہیں اٹھے یہاں سے روضہ مقدسہ آپ کو نظر نہیں آتا تو معلوم ہوتا ہے عشق میں کمی ہے لہذا آپ یہاں سے پڑھئے۔ اللہم

صلی علی محمد و آلہ

تکلیف تھی اور فرمیں مدنیہ پاک پہنچ کر روضہ اقدس کا منہ کھڑے ہو کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ دھیمی آواز سے وہاں پڑھے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ دوسرے بڑوں کو چلا چلا کر پکارنا یہ بے ادبی ہے کھیت والوں کا طریقہ ہوتا ہے، کھیت والے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اے فلاں کوئی جواب دیتا ہے ہاں بڑوں کو اس طرح نہیں پکار سکتے بڑوں کو سامنے حاضر ہو کر عرض کیا جاتا ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود ہے یا ایتھا الذین امنوا لا ترتفعوا اصواتکم اپنی آواز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو۔ بعض آدمی کی آواز قدرتا بلند تھی بات کرنے میں آواز بلند ہو جاتی تھی۔

جیسے وہاں آیت نازل ہوئی اپنی آواز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو، وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ الْوَهْنِ کے سامنے ایسے زور سے نہ بولو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بولا کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، جو لوگ آواز دھیمی اور ہلکی کرتے ہیں نبی کے سامنے یہ لوگ ایسے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا ان کے دلوں میں تقویٰ موجود ہے لہذا اس آیت کے نزول کے بعد بعض صحابہؓ تو اس طریقہ سے بولتے تھے کہ بار بار پوچھنے کی نوبت آتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈر کے مارے زور سے بولنے کی کہیں اہمال ضبط نہ ہو جائیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ دُورٍ الْحُجُوتِ، جو لوگ دوسرے کھڑے ہو کر زور زور سے چلا کر پکارتے ہیں ان کو قرآن نے بے وقوف کہنا اکثر ھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ یہاں سے یا کسی اور مقام سے آواز دے کر چلانا یا رسول اللہ اس طرح سے چلانے والے کو قرآن نے بیوقوف کہا ہے۔

لہذا دوسرے کھڑے ہو کر چلانا آواز لگانا، دوسرے اس طرح صلوٰۃ و سلام پڑھنا جیسے اسکول کے بچے پہاڑے پڑھا کرتے ہیں، ایک نے ایک لفظ کہا پھر سب نے ملکر وہی کہا غلط ہے، نہ قرآن مجید سے ثابت نہ حدیث پاک سے نہ صحابہؓ نے کیا نہ ائمہ مجتہدین نے کیا آپ صوفی شریف

پڑھے ایک کونہ میں بیٹھ کر پورے انہماک۔ اور یکسوئی کے ساتھ ہر طرف سے دل کو ہٹا کر آپ
آپ پڑھے جتنا جی چاہے پڑھے کوئی آپ کو روک نہیں سکتا اگر روکے تو نہ رکھے اس کا کہنا
وجہی تو نہیں ہے نہ رکھے۔

اتنی بات ہوئی اور پھر جتنا کچھ بیان کرنا تھا بیان کیا کبھی موقع نہیں ملتا تھا، اللہ نے موقع
دیدیا اس واسطے صلوٰۃ و سلام صیغہ خطاب کے ساتھ یا ندا کے ساتھ یا نبی سلام علیک یا رسول
سلام علیک کہے یا رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیک یہ زور زور سے چلا کر پڑھنا ایک آواز ملا کر گارہ
یہ غلط طریقہ ہے اور یہ بھی ساتھ ساتھ تصور ہو کہ براہ راست آپ یہاں تشریف فرما ہیں اور
زیادہ غلط ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھنا چاہیے اور ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو روزانہ
چار ہزار پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے ہیں راتوں میں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ اور اس کے
منافع آخرت میں بھی مہیہ دنیا میں بھی،

نسائی شریف کی روایت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مَلَائِكَتًا مُّتَابِعِيْنَ فِي الْاَمْرِ اللّٰهُ تَعَالٰی كَيْطَرَف
سے فرشتے مقرر ہیں جو تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں میری امت میں سے جو شخص بھی سلام
پڑھتا ہے وہ فرشتے میرے پاس لا کر پہنچاتے ہیں۔

اور بیہقی کی روایت میں ہے مَنْ صَلَّى عَلٰی عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهُ۔ جو شخص میرے قریب
میری قبر کے سامنے صلوٰۃ و سلام پڑھے گا میں خود اس کو سونگا اور جو دور سے پڑھے گا وہ مجھے
پہنچا دیا جائے گا دور سے پہنچایا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی خوشی ہوتی ہے
جب کوئی شخص صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ مستقلاً
وہیں موجود رہتا ہے، ہر وقت جس نے سلام پڑھا اس کا نام لیکر باکلام لیکر بتاتا ہے فلاں بن فلاں نے
صلوٰۃ و سلام بھیجا ہے اب کسی کے دل میں خیال پیدا ہو کہ صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے تو تمام
دنیا سے تمام روئے زمین سے ہر وقت پڑھتے ہیں، ہر وقت فرشتہ پہنچاتا ہے ہر وقت
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جواب کی فرصت ہی نہیں

لمتی ہوگی، کتنوں کے جوابات دیتے ہیں۔ اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ پانچ سات کا سلام آگیا تو جواب دینا مشکل ہو گیا اور پھر وفات کے بعد عالم برزخ میں پہنچ کر احساسات بہت زیادہ قوی ہو جاتے ہیں جو کیفیت احساس و ادراک کی اس دنیا میں رہتے رہتے ہے اُسکے اعتبار سے برزخ میں پہنچ کر احساسات بہت قوی ہو جاتے ہیں حضرت نانوتویؒ نے فرمایا ہے.....

..... کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو وفات ہوئی اس طرح نہیں جیسے اور لوگوں کی وفات ہوتی ہے کہ روح کو جسم سے جدا کر دیا۔ ایسا نہیں بلکہ روح مبارک کو وہاں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جیسے چراغ جل رہا ہو آپ اس کو زمین پر رکھ کر اس کے اوپر طشت رکھیں چراغ کی جو روشنی دور دور تک پھیل رہی تھی وہ محفوظ ہو گئی، طشت کے اندر محفوظ رہ گئی فائدہ اس کا یہ ہے کہ پہلے جو روشنی پھیل رہی تھی وہ ہلکی تھی اب وہ روشنی ایک جگہ مجتمع ہو کر زیادہ قوی ہو گئی ان کی تحقیق یہ کہ وفات اس طرح ہوئی اوروں کی ج طرح وفات ہوتی ہے اس طرح نہیں ہوئی قرآن میں ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّمَا تَعْلَمُ مَيِّتٌ وَاَنْتَ دُوْنَكَ مَيِّتٌ کو الگ الگ ذکر کیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور طرح ہے اور دوسروں کی وفات اور طرح ان کے معارف میں یہ ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر منکشف فرماتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا اور سب کا جواب دینا اور ہر ایک کا پہچانا، ہر ایک سے سرور ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی دشواری نہیں۔

بہت آسان ہے امام رازیؒ نے تو فرمایا ہی ہے قیاس الغائب علی الشاہد لا يجوز جو غائب ہے اس کو حاضر پر کیسے قیاس کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نظروں سے غائب ہیں ان کو اپنے اوپر کیسے قیاس کر سکتے ہیں۔

اس لئے وہاں کے حالات کو یہاں کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کو جو جو چیزیں عطا فرمائی عجیب عجیب ہیں، ایک بزرگ روضہ قدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے صلوٰۃ و سلام عرض کیا درود شریف پڑھا کچھ اشعار پڑھے۔

ان کا حاصل یہ تھا کہ اب تک تو میں اپنی روح بھیجا کرتا تھا روح آتی تھی زیارت کے لئے صلوٰۃ و سلام پڑھتی تھی آج جسم کی باری لگنی جسم حاضر ہو گیا۔ لہذا دست مبارک بڑھائی تو بہت مبارک روضہ اقدس نے نکلا کالشمس فی نصف النهار اتنی اس کی روشنی جیسے دوپہر میں سورج سب مجمع نے دیکھا انھوں نے بڑے احترام کے ساتھ دست مبارک کو بوسا دیا اور وہ پھر قببر کے اندر چلا گیا۔

یہ واقعہ ۱۵۵۵ھ کا ہے اور اس وقت مسجد میں بڑے بڑے ادیاء اللہ موجود تھے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ بھی موجود تھے اور لوگ بھی اس کے بعد لوگوں نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی جس کی خاطر مبارک قبر سے نکلا انھوں نے کہا اچھا یہ بات ہے، لیٹ گئے اور کہا میرے اوپر کو چلو، لوگ چلے مان لی بات، ایک صاحب کشف بزرگ تھے وہ نہیں چلے کسی نے پوچھا کیا بات ہے آپ نے ان کی بات کیوں نہ مانی انھوں نے کہا جو لوگ گزرے وہ اندھے تھے لوگوں کو ان کے سبے کا علم نہیں میں اگر چلتا تو آتش قبر مجھے جلا ڈالتی اس پایہ کے بزرگ تھے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اس حیوۃ کے اثرات باہر والوں کو بھی دکھلا دیئے جاتے ہیں کسی کسی کو سب کو نہیں ہر ایک کو نہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے سنایا تھا مسلمات پڑھاتے ہوئے کہ کہنے کی بات نہیں آدمی ادھر سے منہ پھرا کر دیکھے آنکھیں بند کرے پھر دیکھے اس پر کیا کیا کھلتا ہے، حضرت مولانا ذلیل احمد صاحبؒ نے تراویح میں حضور اقدسؐ کو قرآن شریف سنایا کیسے سنایا ہم نہیں جانتے نہ ہم نے پوچھا نہ انھوں نے بتایا، ہو سکتا ہے اقدام عالیہ میں کھڑے ہو کر سنایا ہو کیسی اور جگہ کھڑے ہو کر سنایا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صلوٰۃ و سلام کو سننے بمقام قرآن پاک کو سننے میں کیا اشکال ہے، ایک صاحب نے دریافت کیا تھا کہ وہاں کے قاضی القضاۃ کے بیٹے کو بہت

شوق تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اس کے لئے وظیفے عملیات بہت سارے پڑھے۔ ایک مرتبہ زیارت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اقدس سے باہر تشریف لائے پوچھا حضورؐ کہاں کا ارادہ؟ ارشاد فرمایا خلیل احمد ہندی کا انتقال ہو گیا ہے ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں چونکہ مولانا خلیل احمد صاحب نے وصیت فرمائی تھی میرے جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھی جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے اس لئے مسجد سے باہر پڑھی گئی تھی تو ہاں تشریف لائے۔ تو مبتدعین نے کہا تھا کہ نماز جنازہ مسجد میں میسر نہ آئی یہ گستاخ رسول تھے، ایسے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ یہ نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جنازہ میں شرکت کے لئے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر بنفس نفیس روضہ اقدس سے باہر تشریف لائیں اللہ کی طرف سے اجازت ہو، غلط نہیں ہو سکتا ہے کسی کو بیداری کی حالت میں نظر آجائے یہ بھی ہو سکتا ہے ممکن ہے۔ لیکن وہ جو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اس کا کہیں کچھ ثبوت نہیں خرقِ عادت کے طور پر جنازہ میں شرکت کے لئے جاسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتاب میں ہے کہ فلاں میرے پیر بھائی کا انتقال ہوا میں نے اس کو قبر میں دفن کے لئے رکھا تو بلا مبالغہ مجھے وہ ہی خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضہ اقدس پر حاضری کے وقت محسوس ہوئی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا یہ خوشبو یہاں کہاں آگئی مدینہ طیبہ کی کہاں سُنّیوں کا عقیدہ ہے کہ مومن کی قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ لائے ہوں گے خوشبو محسوس ہوئی ہوگی، اس میں کیا بات ہے۔ آگے میں نے کہا جب سوال کیا جاتا ہے "ماذا الرجل؟" جب کہا جاتا ہے جب کہ لوگ دفن کر کے واپس چلے جاتے ہیں اس وقت منکر نکیر آتے ہیں اٹھاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ابھی تو

رکھا ہی ہے۔ رکھتے ہی کیسے خوشبو محسوس ہوئی۔ میں نے پوچھا واقعی آپ لوگوں کا عقیدہ ہے..... جب عقیدہ ہے تو قرآن میں کہیں ہوگا۔ آگے کچھ بولے نہیں۔ میں نے کہا اچھا علم عقائد میں جو کتابیں ہیں شرح عقائد، شرح مقاصد، شرح مواقف ہے وغیرہ ان میں کہیں ہوگا۔ ان بیچارہ نے ان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ میں نے کہا کہ اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مومن کی قبر پر تشریف لانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ بس جتنی گالیاں اس کی ڈکٹنری میں تھیں ساری دے دیں کہ وہ کافر ہے، کفر ہندوئی ہے، ملعون ہے، جہنمی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ یہ مذہب ہے۔ میں نے کہا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتاب میں ہے۔ بریلی شریف سے چھپی ہے۔ اس میں لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مومن کی قبر پر تشریف لانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ اپنے ان کو تو لگا دیا ٹھکانے۔ اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں آکر عقائد خراب نہ ہونے پائیں۔ عقائد کو صاف صحیح رکھنا ضروری ہے۔ آخر صحابہؓ نے جو عرب سے باہر عجم میں سفر میں تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہاں دیکھا اپنے چودہری کو اپنے بڑے کو سجدہ کرتے ہیں۔ حضور آپ زیادہ مستحق ہیں۔ یہ محبت کی وجہ سے تھا خدا نخواستہ یہ سجدہ عبودیت نہیں تھا۔ شرک تھوڑا ہی یہ کر رہے تھے محبت کی خاطر سجدہ تعظیمی کرنا چاہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میرا انتقال ہو جائے تو میری قبر پر تم لوگ اسی طرح سجدہ کرو گے؟ کہا: نا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر غیر اللہ کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اس واسطے سجدہ کسی اور کے واسطے جائز نہیں۔

جوش اور محبت میں آکر صحابہؓ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو شانِ اقدس کے خلاف ہو جس میں عقائد کا خطرہ ہو اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اور جوشِ محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے حضرت عزیٰز کو پوجا تھا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اور جتنے بت پرست ہیں جن چیزوں کو معبود قرار دیتے ہیں جوشِ محبت ہی کا نتیجہ ہے اس لئے اسلام میں جوش اور محبت کی حدود قائم کر کے ان حدود کو مقید کیا گیا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف چیزیں پھیل گئی ہیں پھیل رہی ہیں ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مایوس ہرگز نہ ہونا چاہیے نرمی سے پیار محبت سے شفقت سے سمجھایا جائے تو طبیعتیں ایسی ہیں جو مان جائیں گیں۔ ضد بھی ہوتی ہے مزاج میں خاص کر یہ معلوم ہو جائے آپ دیوبانی ہیں آپ دیوبندی ہیں تو اور دقت پیش آتی ہے۔ اگر آپ نرمی سے سمجھائیں۔ کتابیں دکھلائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو بیان کریں جس قدر بھی زیادہ سیرت بیان کی جائے ایجابی پہلو ہو۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ہیں، یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں، یہ کام امت کو سپرد کیا ہے، ان کے مطابق انجام دینا۔ اتنی چیز ہو اس سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوگی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مداخلت کی جائے غلط چیزوں کے متعلق۔ نہیں! مداخلت اور چیز ہے۔ اور اگر شروع ہی سے ان کی ایک ایک بات لے کر کہا جائے کٹ جائیں گے اور کوئی بات نہیں سنے گا اور بہت سختی سے پیش آئیں گے عقائد آپ کے متعلق خراب ہوں گے آپ کے بڑوں کے متعلق خراب ہوں گے لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے شاہ وارث حسن صاحب، حضرت گنگوہیؒ

کے یہاں بھی رہے اور دیوبند میں تسلیم پائی تھی مولانا فخر الدین حسن صاحب فرماتے تھے انھوں نے میری عمر میں کلام پاک حفظ کر کے حضرت گنگوہیؒ کو سنایا تھا اور مشکوٰۃ شریف حفظ کر کے حضرت شیخ الہندؒ کو سنائی تھی انکے صاحبزادے ہیں ٹیلہ والی مسجد میں بھورے میاں کہلاتے ہیں پیری مریدی کرتے ہیں اپنے والد صاحب کی طرف سے مجاز ہوں گے۔ ایک شخص آئے انھوں نے کہا میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ مگر دیکھیے یہ جو بڑے بڑے ہیں حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت تھانویؒ کے نام لے لے کر بہت بیہودہ الفاظ سے نام لے، میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ آپ مجھے بیعت کرنا چاہیں تو کر لیجئے۔ اچھی بات ہے۔ بیعت کر لیا اس کے بعد پھر ایک روز روتا ہوا کا پنتا ہوا پریشان ہوتا ہوا آیا۔ پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے خواب میں دیکھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی۔ حضرت بھی کہتا ہے مولانا بھی کہتا ہے حضرت ان کے سامنے دو زانو بیٹھے ہیں اور جھکے ہوئے بیٹھے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک پر دونوں ہاتھ رکھے ہیں اور عرض کر رہے ہیں حضور! مجھے بتا دیجئے میرا قصور کیا ہے یہ لوگ مجھے کیوں بُرا کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دونوں ہاتھ گٹوں سے پکڑ کر اس طرح اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا پٹایا اور فرمایا: میں تو بُرا نہیں کہتا۔ اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو اُن کا معاملہ تھا، توبہ کرنے کے لئے آیا ہوں آئندہ ان کو بُرا نہیں کہوں گا یہ بہت اونچے لوگ ہیں۔

اس واسطے جن کے مقدر میں ہدایت لکھی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور جن کے مقدر میں ہدایت نہیں ابولہب کو ابوجہل کو

ہدایت نہیں ملی اس واسطے بتانے سے سمجھانے سے اصلاح کی امید ہے۔ اور کسی کی ہدایت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

ایک صاحب سے میں نے کہا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مجمع عام میں اختلافی مسائل کو کھول کھول کر بیان کر دیا جائے کہ اصل مسئلہ اس طرح ہے اس میں ان کے دلائل یہ ہیں مگر دوسرے لوگوں نے اس طرح بگاڑا ہے۔

انھوں نے کہا اس کا کیا ہوگا دہاں تو نفی جحد ہے۔ وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں وہ نفی جحد ہے۔

میں نے کہا دیکھیے اولاً یہ فیصلہ کہ یہ نفی جحد ہے کون کرے جو قلب کے حالات سے واقف ہے وہ فیصلہ کرے۔ دوسرے یہ کہ نفی جحد ہے تو نفی تاکید بلن تو نہیں ہے۔ نفی جحد کا مطلب اب تک نہیں کیا نہیں مانا۔ یہ تو نہیں کہ آئندہ کام ہی نہیں کریں گے۔ مگر اس کی طرف لوگ آتے نہیں۔ جو مسائل کتابوں میں لکھے ہیں وہ کتابیں وہ لوگ پڑھتے نہیں اور جو ہمارے اکابر کی کتابیں ہیں وہ بحر فارس بحر عرب سے ہو کر آئی ہیں اس میں عربی فارسی کے اتنے الفاظ ملتے ہیں جو اُن سے حل نہیں ہوتے۔

تاہم کوشش تو کی جا رہی ہے اور آسان آسان زبان میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اللہ پاک صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

www.ahlehaq.org

اتباعِ سنت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بعد خطبہ مسنونہ !

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

قرآن کریم کی ایک آیت ہے، اس میں ایک واقعہ کے متعلق بیان کیا ہے۔
مدینہ طیبہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام بھی ہیں،
ان حضرات میں ایک صحابی ہیں جن کا نام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔ زبیر ابن العوام
یہ ایسے صحابی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر نبی کے لئے کوئی
حواری ہوتے ہیں، میرے حواری زبیر ہیں۔ مخصوص طور پر ان کے لئے یہ امتیاز حاصل
ہے۔ ایک دوسرے شخص تھے، ان کا ان سے ایک معاملہ ہو گیا۔ باغ میں پانی دینے کے
سلسلہ میں، جس جگہ سے پانی آتا تھا اس کے قریب میں پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ،
کا باغ تھا اس کے بعد دوسرے شخص کا۔ وہ کہتا تھا کہ پہلے مجھے پانی چاہیے اپنے باغ
کے لئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا باغ قریب ہے پانی کے۔ اس لئے پہلے مجھے
پانی لینے دو اس کے بعد تم اپنے باغ میں پانی لے لینا۔ طے پایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں چلیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ جس بات میں بھی ذرا سا
اختلاف ہوا یا کوئی تردد ہوا کوئی شبہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
پہنچ جاتے تھے۔ اس لئے کہ اُفقے نامدار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم روحانی باپ

بھی تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور حاکم اور بادشاہ بھی تھے اور محبوب بھی تھے، ساری باتیں جمع تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دیکھا جائے تو آپ بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ان کی نِ اِیْت کو دیکھا جائے تو آپ محبوب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فیصلہ فرمادیا کرتے تھے۔ یہ جب دونوں گئے ہیں فیصلے کے لئے درخواست کی، دونوں کا حال معلوم کر کے بیان کُن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زیرِ پہلے پانی دیدے اپنے باغ کو تھوڑا تھوڑا پانی اس کے بعد پانی چھوڑ دیں تاکہ پڑوسی کے باغ میں پانی چلا جائے۔ حضرت زبیرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ اس دوسرے شخص نے کہا جی ہاں چونکہ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے ہیں اس لئے آپ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا تو بھائی ایک چیز ہے کہ جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اس کا دل اس کو مشکل سے قبول کرتا ہے۔ بڑی دشواری پیش آتی ہے، بعض دفعہ سارے تعلقات پر پانی پھیر دیتا ہے آدمی۔ سارے دلائل سارے شواہد سب ایک طرف رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ اپنی کہنا شروع کر دیتا ہے کہ صاحب میرے خلاف فیصلہ کر دیا۔ اس پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ وہ کون شخص تھا دوسرا آدمی۔ کسی نے کہا کہ یہ منافقین میں سے تھا، کسی نے کہا کوئی بدو تھا۔ واللہ اعلم۔ نام اس کا کہیں نہیں آتا۔ یہ بھی بات ہے۔ جو حدیث کے شروح کو تلاش کر کے دیکھا تو اس دوسرے شخص کا نام نہیں آتا۔ ایک دوسرا آدمی بس اتنا ہی لکھتے ہیں، نام متعین کرتے ہی نہیں کون تھا۔ خیر جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی۔ معاملہ اس طرح نہیں جو کچھ یہ کہا اور کہا قسم ہے تیرے رب کی لایو منون۔ یہ لوگ مومن کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ ”حتیٰ بحکمک“ یہاں تک کہ آپ کو حکم تجویز کر لیں۔ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ۔ ان میں جو ان کے درمیان اختلافی چیز ہے، جس چیز میں اختلاف اور نزاع

ہے اس کے فیصلے کے لئے جب تک یہ آپ کو حکم تجویز نہ کر لیں اس وقت تک یہ مومن کہلانے کے حقدار نہیں تھلا یَجِدُوا پھر اپنے جی کے اندر بھی تنگی محسوس نہ کریں آپ کے فیصلے کے متعلق جو کچھ آپ فیصلہ فرمادیں اس کے متعلق دل کے اندر بھی تنگی محسوس نہ کریں کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں فرمایا۔ چہ جائیکہ اعتراض کرنا، نہ ماننا، کوئی رطعن کرنا، کوئی فقرہ کہنا اس کی کیا گنجائش ہے۔ اور پورے طور سے یقین کرنا۔

اُمّتی ہونے، مومن ہونے، مُحِب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم ہو جائے کہ فلاں معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے فوراً تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور اگر تسلیم نہ کریں اور اپنے معاملات کے واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تجویز نہ کریں اور آپ کے فیصلے سے دل کے اندر تنگی محسوس نہ کریں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ وہ شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے اوپر آپ کیا حکم لگائیں۔ لیکن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں۔ یہ اس آیت کا ترجمہ اور مطلب ہے۔ ترجمہ اور مطلب اتنا واضح ہے کہ اس میں زیادہ کچ و کاو کی ضرورت نہیں۔ یعنی ہر شخص کے لئے ایک کسوٹی بیان کر دی اپنے مومن ہونے کی، ویسے تو دعویٰ میں بھی کروں آپ بھی کریں اور سب مسلمان کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں۔ لیکن اس آیت شریفہ میں ایک کسوٹی بیان فرمادی وہ یہ کہ ہر شخص اس کسوٹی پر اپنے ایمان کو کس کر پرکھ کر دیکھ لے کہ میرا ایمان کتنا مضبوط ہے، کتنا قوی ہے۔ کسوٹی کیا ہے۔ جب انسان کا اختلاف اور نزاع ہو، چاہے اپنے نفسی نزاع ہو چاہے کسی اور سے نزاع ہو۔ جو بھی بات شک اور تردد کی ہو اس کو جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کر دیں، جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمادیں، بس اس کو تسلیم کر لیں، جی کے اندر تنگی محسوس نہ کریں۔ یہ ہے چیز جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں بھری ہوئی ہیں۔ ستوہرا اور بیوی کے درمیان کسی

بات میں اختلاف ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیصلہ قائم کر لیا۔ باپ بیٹے کے درمیان اختلاف ہوا تو فیصلہ طلب کر لیا۔ ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی سے اختلاف ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ طلب کر لیا۔ غرض یہ کہ اپنے معاملات کا دار و مدار جو کچھ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے اوپر تھا یہی ایمان کی بات ہے، یہی ایمان کی نشانی ہے۔

ایک یہودی کا ایک مسلمان سے کسی بات میں اختلاف ہوا۔ یہودی نے کہا کہ چلو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا بیان سنا۔ سن کر فیصلہ کر دیا یہودی کے موافق، اس لئے کہ فیصلہ تو وہی حق کا کرنا ہے، جس کا حق ہے اس کو دلا یا جائے گا۔ یہ تو نہیں کہ مسلمان ہونے کی دھم سے اس کے حق میں فیصلہ کر لیا جائے اور یہودی کو ملزم قرار دے دیا جائے، اس کے اوپر ظلم ہو جائے، ایسا نہیں، بات سچی ہونی چاہیے، حق ہونی چاہیے، طر فذاری سے اپنی پارٹی اور اپنی رشتہ داری کی وجہ سے غلط بات نہیں کہنی چاہیے، نہ گواہی غلط دی جائے نہ فیصلہ غلط کیا جائے، بات سچی پکی، ہونی چاہیے۔ چنانچہ یہودی کے موافق فیصلہ ہو گیا۔ اس نے تو قبول کر لیا، کیونکہ اس کے تو موافق تھا ہی۔ اور جو مسلمان تھا بے چارہ۔ میں کہہ رہا ہوں، مسلمان تھا ورنہ اللہ جانے کیا تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں، فلاں شخص کون تھا، ایک منافق تھا، اس زمانے میں اس کا نفاق سب کو معلوم تھا کہ اس کے پاس چلو، اس سے فیصلہ کرائیں گے۔ یہودی نے کہا کہ نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرائیں گے۔ اچھا صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آکر یہودی نے کہا کہ صاحب میرا اور اس مسلمان کا معاملہ یہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا، یہ اس کو تسلیم نہیں کرتا، یہ شخص فلاں کے پاس فیصلہ لے جانا چاہتا ہے، میں آپ کے

پاس آیا ہوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کیوں بھائی یہ بات صحیح ہے؟ تو اس مسلمان نے کہا کہ ہاں صحیح ہے، ایسا ہی ہے تو کہا اچھا ٹھہر دو، گھر میں گئے، گھر میں سے تلوار لائے، اور تلوار لا کے فرمایا جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہ کرے اس کے واسطے یہ فیصلہ ہے، تلوار اس کا فیصلہ کرے گی۔ ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور ان کے حکم کو نہ مانے بلکہ کسی منافق کے پاس حکم لے جانے کے لئے رکھے، اس کو حکم قرار دینے کے لئے رکھے اس کا فیصلہ تو واقعی تلوار سے ہی مناسب ہے۔ اور بہت سے واقعات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مان لیا، یہ ہی شان تھی۔ اور جس شخص نے انہیں ماننا معلوم ہوتا ہے کہ اسے کاندہ کچھ کھوٹ ہے، نفاق ہے، ایمان نہیں۔ ایمان کی کسوٹی یہ ہے کہ ہر چیز میں یہ دیکھ لیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر دل پورے طور پر رضا مند ہے یا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک بزرگ گذرے ہیں، مدینہ پاک میں رہا کرتے تھے، ترکی النسل تھے، صاحبِ حضوری تھے، صاحبِ حضوری ان حضرات کی اصطلاح میں وہ شخص کہلاتے ہیں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں روزانہ حاضری کا موقع ملتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارشاد فرمایا کہ ہندوستان جاؤ۔ غور کیجئے آپ حضرات اللہ کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ہدایت کے واسطے، ہماری رہبری کے واسطے مخصوص جاں نثار خادم کو بھیج رہے ہیں کہ وہاں جاؤ، یہ بھی فرمایا کہ غریبان ہند پر نظر کرم رکھنا، نظرِ شفقت رکھنا۔ پناہ انہوں نے عرض کیا حضور یہاں تو روزانہ حاضری کا موقع ملتا ہے۔ ہندوستان میں اتنی دور چلا جاؤں گا حاضری کا موقع کیسے میسر ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ تم کو وہاں سے بھی موقع دیا جائے گا۔ وہ ہندوستان آئے دہلی میں آکر قیام کیا، یہاں

حدیث شریف کا پڑھنا پڑھانا، شرح کرنا شروع کیا۔ مشکوٰۃ شریف کی دو شرحیں لکھیں ایک عربی میں ایک فارسی میں۔ اور تصوف کی کتابیں لکھیں۔ حضرت خواجہ بابی باللہ صاحبؒ اونچے درجے کے بزرگ اور اپنے زمانہ کے قطب تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کا دور بھی وہی ہے، جہاں کہیں خبر ہوئی حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کو کہ وہاں کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے اس کی زیارت کے لئے جاتے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ایک درویش آیا ہے، ایک فقیر آیا ہے۔ لوگ بہت اس کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق رحمہ بھی تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر مکے دیکھا اس فقیر کے یہاں ایک مجمع ہے، فقیر بیٹھا ہوا ہے انھوں نے جا کر سلام کیا یہ بھی جا کر بیٹھ گئے۔ فقیر نے ان کی طرف دیکھا اور دیکھ کر کہا کہ یہ پیالہ پی لے، پیالہ کیا تھا اس میں شراب تھی، تب ان کو معلوم ہوا کہ یہ تو شرابی آدمی ہے۔ لوگ اس کے بڑے معتقد و مرید ہیں انھوں نے انکار کیا کہ میں شراب نہیں پیوں گا، شراب تو حرام ہے۔ اس نے بھی کچھ اصرار نہیں کیا۔ رات کو خواب میں حضرت شیخ عبدالحق رحمہ نے دیکھا کہ کچھ لوگ جا رہے ہیں، جانے والوں سے پوچھا بھائی کہاں جا رہے ہو۔ کہا فلاں مکان میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ بھی چلے آکر دیکھا کہ دروازے پر وہی فقیر کھڑا ہے۔ اور وہ کو تو اندر جانے کی اجازت دیدی انھوں نے جانا چاہا تو ڈنڈا اٹھایا ان کے اوپر، کہا کہ تو نے پیالہ تو پیا نہیں تھا تجھے اجازت نہیں اندر جانے کی۔ گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ عالم تھے، زبردست عالم تھے، حدودِ شرع کو جانے تھے، فوراً لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ تبلیس ابلیس ہے، شیطانی دھوکا ہے۔ یعنی شراب پے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو، حاضری کا موقع ملے، شراب سے انکار کر دیں تو حاضری سے محروم رہیں، یہ تبلیس ابلیس ہے۔ اگلے روز پھر گئے فقیر کے پاس، اسی طرح سے مجمع لگا ہوا ہے۔ جا کر کے

بیٹھے تو اس نے کہا اب تو پی لے، کہا اچھا۔ انھوں نے سمجھا کہ یا تو اس نے نصرت کیا تھا
 اس رات کو یا کشف ہوا اس کو۔ انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسے شعبہ
 کسی اور کو دکھانا میں نہیں پیوں گا، نہیں پیا۔ آج پھر اسی طرح سے خواب میں دیکھا
 کہ لوگ جارہے ہیں پوچھا کیا بات ہے کہاں جارہے ہیں۔ کہا فلاں مکان میں نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں زیارت کے لئے جارہے ہیں۔ شیخ عبدالحق بھی تشریف
 لے گئے دیکھا تو پھر وہی فقیر دروازے پر کھڑا ہوا ہے، اس نے ڈنڈا اٹھایا اور
 اجازت نہیں دی اندر جانے کی، پھر ان کی آنکھ کھل گئی گھبرا کر، پھر انھوں نے کہا
 لا حول الخ حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ کوئی شخص وحشت ناک خواب دیکھے، ڈرانا
 خواب دیکھے، گھبراہٹ کا خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ لا حول پڑھ کر بائیں طرف
 تھوٹکار دے اور دعا کر لے کہ اے اللہ پریشان خواب اور اس کے بُرے اثر سے محفوظ
 رکھ تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر دن میں گئے فقیر کے پاس اس نے کہا دیکھو دو
 روز ہو گئے حاضری سے محروم ہو زیارت سے محروم ہوا اب تو پی لو۔ انھوں نے فرمایا
 ساری عمر بھی محروم رہوں گا تو بھی نہیں پیوں گا۔ یہ فیصلہ حضرت شیخ عبدالحق نے
 کیوں کیا حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اعلیٰ درجے کی تھی، ان کو
 ان کی جدائی گوارا نہیں تھی۔ ہندوستان سے یہی اعزاز کیا کم تھا لیکن اس کے باوجود
 پی لیتے تو زیارت نصیب ہو جاتی، دل کو ٹھنڈک پہنچ جاتی، لیکن نہیں پیا کیوں
 نہیں پیا۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ جب
 فقیر نے کہا دو روز ہو گئے حاضری سے محروم ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ عمر بھر بھی محروم
 رہوں گا تو نہیں پیوں گا۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے حاضری
 منظور نہیں۔ اگر میں حاضری سے محروم ہوں تو کیا ہوا میری خدمات تو قبول ہیں
 یہ بات سوچ لینے کی ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

مشغول ہے۔ چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اس کو موقع نہیں، دور دراز ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے مگر نافرمان ہے تو کون افضل ہے۔ افضل وہ ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں، اگرچہ وہ حاضر نہ ہو دور ہو۔ چنانچہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ، کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی بنا کے بھیجا ہے مدینہ طیبہ سے یمن کے لئے۔ دور تک ان کے ساتھ ہدایا دیتے ہوئے تشریف لائے۔ اور رخصت کرتے وقت فرمایا کہ دیکھو میرے دوست وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں اگرچہ کتنے ہی دور ہوں، کسی جگہ رہتے ہوں، کوئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا۔ یعنی معاذ تم یمن جا رہے ہو میں مدینہ طیبہ میں ہوں شاید میری تمہاری ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ آئندہ سال تم آؤ تو شاید تمہارا گذر میری قبر پر ہو یعنی وفات ہو جائے گی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ نے فرمایا میرے دوست میرے ولی وہ ہیں جو متقی ہوں اور تقویٰ اختیار کریں (این کا نوا من کا نا) جہاں بھی ہو جو بھی ہو۔ تو دور رہتے ہوئے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص سے مسرور اور خوش ہوں حضور کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی زندگی گزارتا ہو اعلیٰ مقام رکھتا ہے بہ نسبت اس کے کہ جو پاس ہو، سامنے ہو لیکن نافرمان ہو۔ کیوں بھائی منافقین تھے، کیا یہ خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوتے تھے، حاضر ہوتے تھے، نماز کے لئے بھی آیا کرتے تھے۔ ایک سورۃ مستقل ان کے حکم کے متعلق نازل ہوئی۔ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ اَلَمْ يَكُنْ لَكَ اَمْرٌ اَلَمْ يَكُنْ لَكَ اَمْرٌ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔ وہ جو شہادت کا کلمہ پڑھتے تھے اس کا انکار کیا کہ یہ جھوٹے ہیں شہادت کا کلمہ پڑھتے تھے ان کا اعتبار نہیں، بخلاف اس کے کہ جو دور تھے دور ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مسرور، حضور کے یہاں ان کی خدمات مقبول، ان کا مقام بہت بلند اس لئے حضرت شیخ عبدالحق رحمہ نے دور رہنا پسند کیا۔ اس واسطے حضرت شیخ عبدالحق

نے پیئے سے انکار فرما دیا، میں نہیں پیوں گا۔ ساری عمر بھی محروم رہوں گا زیارت سے کیا ہوا میری خدایات تو قبول ہے۔ یہ میرا انکار کر دینا تو قبول ہے، پینا تو مقبول نہیں ہے حضورؐ کے یہاں۔ جو میں نے شراب پیئے سے انکار کر دیا یہ تو مقبول ہے۔ تیسری رات پھر اسی طرح سے خواب میں دیکھا کہ لوگ جا رہے ہیں، یہ بھی گئے دیکھا تو پھر فقیر کھڑا ہوا ہے دروازے پر اب ان کو بڑا تردد ہوا کہ کون ہے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شراب پیوں تو اندر جانے کی اجازت ملے نہ پیوں تو اجازت نہ ملے۔ سوچ رہے تھے کیا تدبیر اختیار کروں۔ اندر سے آواز آئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرما رہے ہیں دو روز ہو گئے عبدالحق نہیں آئے، خود وہاں سے انتظار ہو رہا ہے ذکر ہو رہا ہے کہ دو روز ہو گئے عبدالحق نہیں آئے، ان کے کان میں آواز پہنچی تو انھوں نے وہیں سے زور سے کہا کہ حضورؐ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں مگر یہ فقیر دروازے پر کھڑا ہوا ہے آنے نہیں دیتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کون ہے کیا بات ہے۔ وہاں کسی نے بتایا کہ حضور فقیر شراب کھڑا ہوا ہے دروازے پر۔ اپنے فرمایا دور ہواے کئے۔ اور جناب ایک صحابی وہیں سے تلوار لے کر دوڑے۔ وہ پیروہاں سے بھاگا، دروازہ کھولا راستہ صاف ہوا شیخ عبدالحق حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو روز ہو گئے تم کہاں تھے؟ کہا کہ جی حضور دو روز ہو گئے۔ آتے ہوئے۔ یہ فقیر کہتا ہے کہ شراب پی لو تو اندر جانے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ بھلا حضورؐ نے تو شراب حرام فرمائی ہے میں کیسے پیوں۔ اپنے فرمایا بہت اچھا کیا تم نے شراب نہیں پی شفقت اور مہربانی فرمائی شیخ عبدالحق رحمہ نے اپنے معاملہ کو حضورؐ کے سپرد کیا، حضورؐ کی ہدایات میں تلاش کیا، اس میں شراب کی حرمت بھی لہذا اس کے لئے رتیار نہ ہوئے کہ حاضری نہ سہی لیکن حرام چیز کو استعمال نہیں کروں گا، نہیں کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے

ان کے درجات کو بلند فرمایا۔ اب جب صبح کو اٹھے تو بہت خوش تھے۔ پھر اُنے فقیر کے یہاں، دیکھا مجمع تو موجود ہے اس کے مریدین کا لیکن خود موجود نہیں۔ مجمع سے پوچھا پیر کہاں ہے؟ مریدین نے کہا اندر کمرہ میں ہیں۔ حضرت شیخ زہ نے کھڑے ہو کر کمرہ پر دستک دیا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ دروازہ کھول کر دیکھا اس کمرے میں کوئی نہیں۔ پوچھا کیوں بھائی تم کہتے تھے کہ اندر کمرہ میں ہیں یہاں تو کمرہ خالی ہے۔ کھڑکی کوئی دروازہ بھی نہیں کہ اندر سے چلا جائے کوئی۔ اور مریدین نے بھی دیکھا کہ پیر صاحب تو اندر ہی تھے اور اندر سے نکلے بھی نہیں۔ پھر شیخ نے پوچھا دروازے سے کوئی نکلا بھی ہے تو بتلایا کہ کُتّا تو نکل کر بھاگا تھا۔ تب حضرت شیخ زہ نے فرمایا وہی تمہارا پیر تھا جس نے شریعت کو مسخ کرنا چاہا، جس نے شریعت کو بگاڑنا چاہا اللہ تعالیٰ نے اس کو مسخ کر دیا۔ اللہ کے رسول ص کی زبان مبارک سے نکلا "دُور ہواے کُتے" جس کو حضور نے کُتّا فرما دیا وہ پھر انسان کیسے رہتا۔ اللہ نے اس کو کُتے کی صورت میں مسخ کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نہایت پاک صاف ستھری نکھری ہوئی روشن شریعت ہے جس کے اندر کسی قسم کا تذبذب اور تردد نہیں۔ شیطان یا شیطان نما انسان اس کے اندر کوئی گڑبڑ کرنا چاہتا ہے حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ یہاں اس نے گڑبڑ کرنا چاہا، شراب پینا جو حرام تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ دس آدمیوں پر لعنت ہے۔ شراب پینے والے پر بھی لعنت، شراب بنانے والے پر بھی لعنت، شراب بیچنے والے پر بھی لعنت، شراب خریدنے والے پر بھی لعنت، شراب لا کر لے جانے والے پر بھی لعنت، سب پر لعنت فرمائی، لعنت کے معنی خدا کی رحمت سے دور ہو جانا، پھٹکار پڑ جانا۔ حضور تو فرمادیں کہ شراب پینے سے اللہ کی پھٹکار ہوتی ہے اور رحمت سے دور ہوتا ہے۔ اور یہ فقیر کہتا ہے کہ شراب پی لو، تو حضور کا قُرب حاصل ہوگا، پہنچ جاؤ گے اندر۔ یہ مسخ

کرنا چاہا تھا اس نے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی صورت کو مسح کر دیا۔ اس واسطے ہر معاملے میں ہر شخص کو اپنی جگہ غور کر لینا چاہیے کہ اس معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کیا ہے۔ جو کچھ ارشادِ عالی ہو بس اس کے سامنے سر کو جھکا دے اور اس کو پورے طور سے تسلیم کر لیں چاہے اس میں ہزاروں لاکھوں کا نقصان کیوں نہ ہو۔ لیکن ہزاروں لاکھوں خرچ کر کے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل ہو جائے بہت سستی ہے۔

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت اونچے درجے کے بزرگ ہیں ان کو پیرانِ پیر بھی کہا جاتا ہے۔ بڑے پیر صاحب جن کو غوثِ پاک بھی کہا جاتا ہے بہت سارے ان کے نام ہیں۔ گئے چُنے ہی ایسے ایسے حضرات پیدا ہوئے ہیں جتنے اونچے وہ تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مراقبہ میں تھے ان کو محسوس ہوا کہ باری تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہے، انوار اور برکات کی بارش ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ قریب ہے، سامنے ہے۔ اسی حال میں ان کو پیاس محسوس ہوئی۔ ارادہ کیا کہ پانی پیوں، جونہی پیاس محسوس ہوئی فوراً سامنے ایک صورت نمودار ہوئی ہاتھ میں اسکے کٹورہ رکھا ہوا ہے سونے کا چھلکتا ہوا پانی وہ پیش کیا گیا خدمت میں، کیونکہ غیب سے ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں بڑی کثرت کے ساتھ آتی تھیں، کرامات ہوتی تھیں ارادہ کیا مینے کا سوچا سونے کا برتن تو استعمال کرنا حرام ہے۔ میں نہیں پیتا سونے کے برتن میں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے چاندی کے برتن کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کیا کیا، حضورؐ کے اوپر محمول فرمایا کہ حضورؐ اجازت دیں تو پیوں ورنہ نہیں۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے برتن کا استعمال کرنا ناجائز ہے۔ لہذا پیے سے انکار کر دیا۔ فوراً طبیعت کے اندر ایک بات آتی ہے۔ حرام کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، وہی دے رہے ہیں پلا رہے ہیں، نہیں پیو گے تو ناشکری اور ناقدری

ہوگی اللہ کی نعمت کی۔ ناقدری کرنے کے دباں میں پکڑے جاؤ گے۔ پھر ارادہ کرتے ہیں پیچے کا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام بیان فرمادیے وہ تو قیامت تک کے لئے بیان فرمادیے۔ ایسا نہیں کہ کچھ مدت کے لئے رکھتے پھر ختم ہو جائے۔ ایسا نہیں کہ کسی کے لئے حرام ہو کسی کے لئے حلال ہو جائے۔ یہ تو شیطانی دھوکا معلوم پڑتا ہے۔ اٹھوئے فوراً لاحول پڑھی۔ لاحول پڑھنا تھا کہ زندہ انوار و برکات باقی رہے زندہ صورت رہی زندہ سونے کا پیالہ رہا نہ اس کے اندر چھلکتا ہوا پانی رہا، سب غائب۔ شیطان نے ایک اکھاڑا بنایا تھا، شیطان نے ایک پنڈال بنایا تھا اتنے بڑے دلی اللہ کو پھانسنے کیلئے۔ اتنے بڑے بزرگ کو مبتلا کرنے کے لئے شیطان نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ لاحول سے شیطان بھاگتا ہے، بڑا زبردست گولہ ہے شیطان کے واسطے۔ اٹھوئے لاحول پڑھی تو بھاگ گیا۔ بھاگتے بھاگتے کہہ گیا ایک بات۔ اتنے بڑے دلی اللہ کو اس مقام پر لا کر میں نے جہنم میں دھکیلا ہے تم اپنے علم کے ذریعہ بچ گئے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے پھر سوچا شیطان کو تو قرآن نے کہا ہے کہ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ انسان کے لئے شیطان کھلا ہوا دشمن ہے، دشمن تو کوئی خیر خواہی کی بات کہہ نہیں سکتا، کوئی تعریف کی بات نہیں کہہ سکتا۔ ضرور دھوکہ میں ڈال رہا ہے۔ پھر فرمایا اٹھوئے تو جھوٹ کہتا ہے علم کے زور سے نہیں بچا، حق تعالیٰ کے فضل سے بچا۔ علم بچانے والا نہیں۔ بہت سے اہل علم نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بہت سے اہل علم بد اعتقادی میں مبتلا ہو کر ارتداد اختیار کر رہے ہیں۔ اللہ کا فضل شامل حال ہوتا ہے تو ہی حفاظت ہوتی ہے۔

www.ahlehaq.org

مَغْفِرَتُ

اتِّبَاعِ سُنَّتِ میں ہے

بیان جامع مسجد نوشهره بعد نماز مغرب
م ۸ / ۸۹ مطابق ۳ / ۱ / ۱۴۱۰ هـ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ^{۳۵}
 حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تولد ہوئے اور تریپن
 سال تک وہاں رہے۔ پھر ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اللہ
 تعالیٰ نے پھر وہ دن دکھایا کہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ حیثیت سے تشریف لائے
 اس روز لوگ جو درجہ جو مسلمان ہونے شروع ہو گئے، جماعتوں
 کی جماعتیں آتی گئیں، آس پاس سے، اللہ نے اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا۔
 إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی مدد اور
 وَرَأٰی النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ (مکہ کی فتح) (مع اپنے آثار کے) آپہونچے۔
 فی دین اللہ افواجا۔ (یعنی واقع ہو جائے) اور (آثار جو اس پر

متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ) آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جو

درجہ داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں۔ (بیان القرآن)

فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ ایک شخص جن کا نام وحشی رہتا تھا، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایمان لے آؤں، ان کے گاؤں اور بستی کے سب لوگ ایمان لے آئے تھے۔ انھوں نے خط لکھا 'لکنہا تمنعنی' 'ایہ نزلت الیث' کہ آپ کے اوپر ایک آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ایمان لانے سے روکتی ہے۔ میں ایمان لانا چاہتا ہوں، دل میں خواہش ہے، لیکن ایک آیت کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی۔ آیت کیا ہے۔ یہ ہے کہ

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا
آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي
حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ
اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی
پرستش نہیں کرتے۔ اور جس شخص (کے قتل کرنے)
کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے
ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے (بیان القرآن)

کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ہے۔
(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) زنا کرنا (۳) ناحق کسی کو قتل کرنا۔
یہ تین گناہ ہیں نہایت شدید قسم کے۔ حدیث میں بھی آیا ہے:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ. جو آدمی زنا کرتا ہے تو زنا کرتے
وقت ایمان اس کے اندر نہیں رہتا۔ ایمان اس کے نکل جاتا ہے۔ بہت سخت
گناہ ہے۔ پس تین گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم
میں جاتا ہے اور مجھ سے تینوں گناہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے خط میں لکھا:

هَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ
کیا اب میرے لئے توبہ کی کوئی گنجائش ہے؟
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت پر اتنی شفقت تھی کہ کسی ماں کو اپنے
بچے پر اتنی شفقت نہیں ہوتی جتنی شفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت
پر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک میں، قلب مبارک میں پریشانی

لاحق ہو گئی کہ ایک بندہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کے لئے کوئی راستہ بتا دے تو آیت نازل ہوئی:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ
عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ
اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ

مگر جو (نیکو معاصی) توبہ کرے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت

(فرقان آیت ۶۹) فرمائے گا۔ (بیان القرآن)

ہاں یہ تین گناہ اتنے ہی سخت ہیں جن کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی مستحق ایمان لے آئے توبہ کرے نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے جو اس کے گناہ کئے ہیں ان گناہوں کے بدلے میں بھلائی عطا فرما دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کھل گیا کہ بندہ کے لئے راستہ مل گیا آنے کا، اور یہ بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا اُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حساب کتاب ہو گا۔ ایک بندے کے چھوٹے چھوٹے گناہ گنائے جائیں گے کہ چھپ چھپ کے تو نے فلاں گناہ کیا فلاں گناہ کیا، انکار تو کر نہیں سکتا۔ اس واسطے کہ دائیں بائیں جو فرشتے کندھے پر بیٹھے ہوئے ہیں سب لکھتے رہتے ہیں اللہ کے سامنے سب موجود ہیں انکار کیسے کریں؟ ڈرتے ڈرتے اقرار بھی کرتا ہے ہاں یہ گناہ بھی ہو گیا مجھ سے۔ یہ گناہ بھی ہو گیا۔ اُسے یہ نہ کہے کہ یہ جو چھوٹے چھوٹے گناہ گئے جا رہے ہیں کہیں بڑے گناہ بھی نہ گئے جائیں۔ وہاں سے ایک رحمت نازل ہو گی۔ فرمائیں گے کہ ہر گناہ کے بدلے میں میں نے تمہیں جنت میں ایک مقام بلند کیا۔ اب اس سے

خوش ہوا اور کہے گا۔ اے اللہ میاں! میں نے بڑے بڑے گناہ بھی تو کئے وہ کیا ہوئے؟ جب دیکھا کہ گناہوں کے بدلے میں جنت کے مقامات بلند ہو رہے ہیں تو کہے گا کہ میں نے بڑے بڑے گناہ بھی تو کئے وہ کہاں گئے؟ ان کی وجہ سے تو میرے اور مقام بلند ہونے چاہئیں۔ یعنی جن گناہوں سے ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ سامنے نہ آجائیں خود بخود بتانے لگا۔ تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ ایک عدل ہے۔ کسی بندے پر فضل ہوتا ہے، ہم نہیں جانتے ہیں کہ کس طریقے پر فضل ہوتا ہے؟ کیا نکتہ ہے اس میں؟ خداوند تعالیٰ کسی بھی قانون کے پابند تو ہیں نہیں۔ جس پر فضل فرمادیں اس کے گناہوں کے بدلے میں بھی جنت کے درجے بلند فرمادے اور پکڑنے پر آئے تو ذرا سی چیز پر بھی پکڑ لے۔ اس لئے حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جب کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا انتقال ہوتا ہے اس پر ڈر لگتا ہے کہ ذرا سی بھی کوتاہی پر پکڑ لے۔ اور جب کسی فاسق فاجر کا انتقال ہوتا ہے کہ کیا معلوم خدا تعالیٰ کسی بھی نقطہ پر اس کی بخشش کر دے۔ اس کی پکڑ بھی ایسی سخت اور بخشش بھی ایسی عام۔

خیر۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ یہ تین گناہ کرتے ہیں واقعی ایسے ہیں جن کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کا جہنم ہے۔ لیکن اگر توبہ کر لے ایمان لائے، نیک عمل کر لے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس لکھ کر بھجوا دیا۔ انھوں نے پڑھا، غور کیا۔ پھر خط لکھا کہ حضور! اس میں تو ایک شرط لگی ہے کہ ایمان کے بعد عمل صالح بھی کرے، نیک اعمال کرے تب ہوگا یہ۔ میں نہیں جانتا کہ میری موت مجھے مہلت دے گی یا نہیں۔ کبھی ایسا ہوگا کہ میں ایمان لاؤں اور موت فوراً آکر میری گردن دبا لے اور عمل صالح کرنے کا موقع بھی مجھے میسر نہ آئے۔ کیا اب بھی میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے۔ اس واسطے کہ ڈرے

ہوئے تھے اور موت کا استحضار ایسا تھا ان حضرات کو، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشیں گے کہ
ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور
اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کیلئے منظور ہوگا

وہ گناہ بخش دیں گے (بیان القرآن)

جس شخص کا خاتمہ شرک کی حالت میں ہو مشرک رہتے ہوئے اس کی بخشش نہیں لیکن اس سے بڑے بڑے جتنے بھی گناہ کئے اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرمادیں گے۔ پھر یہ آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس بھجوا دی، انھوں نے پڑھا پھر خط لکھا کہ اس میں یہ قید لگائی کہ ”لِمَنْ يَشَاءُ“ جس کو چاہیں گے، مغفرت کر دیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت چاہیں گے اللہ تعالیٰ یا نہیں۔ چونکہ ڈرے ہوئے تھے کہ گناہ بہت سارے کر رکھے ہیں۔ تب پھر یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی
اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِ اللّٰهِ
(پارہ ۲۴ الزمر آیت ۵۳)
آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے
اکفر و شرک کر کے اپنے آپ پر زیادتیاں کی ہیں
تم خدا کی رحمت سے نا اُمید مت ہو۔

کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اسراف کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ پاک سارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے۔ بندہ اگر سو مرتبہ گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ آجا ابھی توبہ کر لے، ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ توبہ کر، توبہ قبول کرنے والا میں ہوں۔ اسی دہرے جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو اس

نے کہا کہ مجھے اس آدمؑ کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا میں بھی اس کی اولاد کو جنت میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ گناہ کراؤں گا اس سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان سے گناہ کرائے گا میں ان کو توبہ کی توفیق دیتا رہوں گا جس سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ شیطان کو بڑی مایوسی ہوئی کہ میں ایک شخص پر محنت کروں گا اس سے گناہ کراؤں گا پھر وہ توبہ کرے گا۔ گناہ تو اس سے معاف ہو جائیں گے اور میری محنت بیکار ہوئی۔

انسان کے پیچھے یہ شیطان لگا رہتا ہے کسی طرح سے اس کو چھٹکارا نہیں ہرقت مسلط ہے۔ انسان کو ظاہری دشمنوں سے حفاظت کا خیال تو رہتا ہے۔ اگر چلتے چلتے راستے میں کوئی سانپ نظر آئے کہ سانپ اس کی طرف کھڑا ہے تو وہ اس سے بچنے کے لئے فکر کرتا ہے یا بھاگے گا یا لاکھٹی کہیں سے ڈھونڈ کے لائے گا اس کو مارے گا۔ اسی طرح سے اگر شیر سامنے آگیا تو پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کا تو مقابلہ بھی کرنا مشکل ہے۔ لاکھٹی سے کیا مقابلہ کرے اس کا۔ یہ تو ظاہری دشمن ہے۔ اگر کسی ملک نے حملہ کر دیا اور اس کی فوج آگئی وہاں سے بندوقوں اور توپوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں تو سارے کے سارے پریشان ہو جاتے ہیں بھاگ جاتے ہیں۔ سب مکان، باغ، کھیت وغیرہ چھوڑ چھاڑ کے بھاگ جاتے ہیں۔ لیکن جو دشمن نظر نہیں آتا اور وہ اتنا قابو یافتہ ہے کہ انسان کی رگ رگ میں سرایت کرے ہوئے ہے خون کی طرح۔ حدیث شریف میں موجود ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ
مِثْلَ مَجْرَى الدَّمِ۔ جیسے انسان کے جسم میں خون سرایت کرتا ہے
اسی طرح سے شیطان سرایت کرتا ہے۔

تو جو شیطان کہ نظر نہیں آتا کہ ہم اس سے کیسے بچیں؟ اس کے حملے سے بچنے کی ترکیب
اتباع سنت۔ جس قدر آدمی اتباع سنت کرے گا اسی قدر وہ شیطان کے حملوں

سے محفوظ رہ گا۔ جو کام کرے یہ سوج کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یا موافق۔ اگر خلاف ہے تو اس کو چھوڑ دے اس کے پاس نہ جائے۔ اور اگر موافق ہے تو اس پر عمل کرے۔ یہ کسوٹی ہے شیطان کے حملے سے بچنے کے لئے۔ شیطان کے حملے سے محفوظ رہنے کی۔

عرض جب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا کہ اس میں کوئی شرط نہیں۔ تو آئے اور اگر اسلام قبول کر لیا۔

یہ وحشی کون ہیں؟ ایک عورت کے غلام تھے۔ اس عورت کے بڑوں کو غزوہ بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ اس عورت نے خنجر زہریں بگھا کر ان حضرت وحشی کو دیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو۔ ان کا جگر نکال کر لاؤ اور میرے پاس کان ناک کاٹ کر لاؤ۔ یہ گئے اُحد کے موقع پر اور ایک پتھر کے پیچھے چھپ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دشمن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے ان کی فوج میں گھسے چلے گئے۔ لوگ ہٹتے گئے جیسے بھاگتے گئے۔ اس طریقہ پر فوج ہٹتی گئی۔ پھر جب وہاں سے واپس ہو رہے تھے دیکھا کوئی غلام بیٹھا ہے پتھر کے پیچھے۔ ان کی عادت نہیں تھی غلام پر حملہ کرنے کی۔ غلام کمزور ہوتا ہے اس کے اوپر کیا حملہ کریں۔ وہ تو حملہ کے لئے بہادر کو اپنے مقابل کے لئے تلاش کیا کرتے تھے کہ کوئی میرے برابر والا آئے تو اس پر حملہ کروں۔ انھوں نے اس غلام کو کچھ نہیں کہا۔ ان کے گھوڑے کا پیر پھسلا۔ یہ گرے۔ گھوڑا بھی گرا۔ پس وہ غلام جلدی سے اُٹھ گیا۔ خنجر تھا ہی اس کے پاس۔ تو اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا۔ وہ گر گئے۔ اور ایسی بے دردی سے سینہ پر خنجر مارا۔ پیٹ کو چاک کر کے پاخانہ کے مقام تک لے گئے۔ چاک کیا لاش کو۔ دل نکالا، جگر نکالا۔ کان کاٹے، ہونٹ کاٹے اور لے کر گئے اس عورت کے پاس۔

اس عورت نے دل اور جگر کو دانوں سے چبایا۔ کان اور ہونٹوں کو
 تانگے سے باندھ کر ہار بنا کر گلے میں ڈال کر اُچھلتی کودتی تھی کہ میں نے آج بدلہ
 لے لیا۔ یہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ
 ایسا معاملہ کیا۔ جب یہ اگر مسلمان ہو گئے۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا۔ فرمایا
 تم ہی ہو جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح قتل کیا تھا، دل جگر نکالا
 تھا۔ کہا حضور! آپ تک جو بات پہنچی ہے صحیح ہے۔ انکار نہیں کیا کہ میں نے ایسا
 نہیں کیا۔ آپ کا علم تازہ ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی (رضاعی بھائی) بھی تھے اور چچا بھی تھے۔ اور
 سب بڑی بات یہ تھی کہ اسلام میں وہ سب بڑے شہسوار بھی تھے۔ بہت بڑے
 بہادر بھی تھے۔ اور ایسے بہادر تھے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اسلام لے آئے
 اس وقت تک مسلمان ایک مکان (دارِ ارقم) میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی
 اور آپ کے ساتھی بھی ہمت اتنی نہ ہوتی تھی کہ باہر آکر مسجد میں نماز پڑھیں۔
 اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ، غصہ میں بھرے ہوئے آئے اس نیت سے کہ
 (العیاذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں گے۔ تلوار لے ہوئے گئے۔
 کواڑ کی (دردازوں کے) سوراخوں میں سے مسلمانوں نے دیکھ کر کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ
 ہیں۔ عمر آ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑا ارادہ ہے۔ سب گھبرا گئے۔ حضرت حمزہ
 رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آئے دو۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر اچھی نیت سے آ رہے ہیں تو
 اچھا ہے۔ سر انکھوں پر۔ اور اگر خراب نیت سے آ رہے ہیں تو ان ہی کی تلوار ہوگی
 اور ان ہی کی گردن۔ میں ان کی گردن اڑا دوں گا۔ اتنے بہادر تھے حضرت حمزہ
 رضی اللہ عنہ، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گردن اڑانے کے لئے تیار ہو گئے۔
 جبکہ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر پارہا تھا۔ بہر حال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ

خصوصیات بھی تھیں۔ ان کو اس طرح سے زخمی کیا تھا، قتل کیا تھا، لاش کی بے حرمتی کی تھی، تو سب قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آ گیا۔ غم تازہ ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ جب غم تازہ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آ گیا کہ جب جب یہ سامنے آئیں گے جب ہی غم تازہ ہو گا اور یہ فیض نبوت سے محروم رہیں گے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَغِيبَ وَجْهَكَ
 کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنا چہرہ میرے
 عَنِّي۔ سامنے نہ کرو۔

عرض کیا۔ جی ہاں۔ یہ کہہ کر اُٹھ کر چلے گئے اور ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر نہ ہوئے۔ اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میری صورت سے اذیت ہوتی ہے، یہ اتباع ہے، یہ نہیں کہا انھوں نے کہ حضور! میں تو حاضر ہوں گا۔ حضور! جس طرح سے ہو سکے معاف فرمادیں۔ میں تو حاضر ہو جاؤں گا۔ نہیں۔ ایسا نہیں کیا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ سامنے نہ آؤ تو بہت اچھا۔ اس میں بھی ان کی خیر خواہی مد نظر تھی۔ وہ یہ کہ فیض نبوت دور اور نزدیک سب کو پہنچتا ہے بشرطیکہ کسی طرف سے دل میں کدورت نہ ہو۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص صحابہ تھے، کے متعلق منافقین شکایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ میرے صحابہ کی شکایتیں میرے پاس مت لاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے صحابہ کے پاس آؤں تو نہایت ہی سلیم الصدر ہو کر آؤں۔ کہ میرے سینے میں کسی کی طرف سے کدورت اور میل کچیل نہ ہو۔ سب کی طرف سے سینہ صاف ہو کہ سینہ صاف ہو گا تو نبوت کا فیض صاف پہنچے گا۔ اور اگر سینہ صاف نہیں ہے تو فیض صاف نہیں پہنچتا۔ اس میں کدورت

رہتی ہے۔ اس واسطے ان (وحشی رض) کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی خیر خواہی کی اور انھوں نے
 اعلیٰ درجے کے اتباع کا ثبوت دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلے جاؤ تو
 وہ چلے گئے۔ اور ساری زندگی بھرانہ کے سامنے نہ آئے اور ساری زندگی ملک شام
 میں جا کر گذاری۔ مدینہ طیبہ میں بھی نہیں رہے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں راستے میں آتے
 جاتے سامنا ہو جائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرائی ہو۔ اس لئے وہاں سے
 نہیں گذرے اور پھر اس فکر میں رہے کہ اسلام کے ایک بہت بڑے جانباز کو انھوں
 نے شہید کیا ہے۔ اس کے بدلے میں کسی کا فر کو اسی طریقہ پر ماریں۔ چنانچہ حضور صلی
 اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ ہوئے تو مسیلہ
 کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین تھے۔ آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت کرنا کہاں جائز تھا۔ اس لئے حضرت
 ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
 کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ اس وقت یہ حضرت وحشی رض آئے۔ انھوں نے مسیلہ
 کذاب کو قتل کیا۔ چنانچہ جب لوگ ان سے کہتے تھے کہ اَنْتَ قَاتِلُ حُمْزَةٍ۔
 کہ (اے حضرت وحشی رض تم تو حضرت حمزہ رض کے قاتل ہو) تم وہی ہونا جس
 نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ تو یہ کہتے تھے کہ ہاں اور میں تو مسیلہ
 کذاب کا بھی قاتل ہوں۔ تِلْكَ بَتَلْكُ۔ اس کا کفارہ تو میں نے اس طرح ادا کر دیا۔
 یہ تو حضرت وحشی رض تھے جن کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
 یہ معاملہ فرمایا۔ اس میں دو سبق ملتے ہیں، ہمیں۔ ایک قلب میں دل آزار چیز سے
 گرائی پیدا ہونا۔ یہ سنت کے خلاف نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں گرائی
 پیدا ہوئی۔ پچھا کے قتل کی وجہ سے اور اس کی گرائی کا علاج یہ کیا کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم نے حکم فرمایا، اس پر حضرت وحشی رض کا اتباع کرنا، بات کو مان لینا،

اس طرح فرمایا کہ بہت اچھا اور ساری زندگی بھر سامنے نہیں آئے۔ کون مسلمان ایسا ہے کہ جس کے اندر ایمان ہو اور اس کا جی نہ چاہتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ان بھائیوں کو دیکھوں کہ ایک وقت ایسا آئے گا آدمی یہ تمنا کرے گا کہ میرا مال روپیہ سارا، بی لے لیا جائے اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے خواب میں بھی متمنی رہتے ہیں کہ کسی طرح زیارت نصیب ہو جائے۔ اور وہ بیداری میں ساری عمر سامنے نہیں آئے۔ یہ ہے اتباع۔

اتباع۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو فرمائیں اس کا اتباع کرنا چاہیے۔ اپنی طرف سے کوئی دلیل اس کے اندر نکالنا ٹھیک نہیں۔ رائے زنی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ یمن کے دو ڈویژن تھے۔ ایک ڈویژن پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، کو بھیجا تھا اور ایک ڈویژن پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، کو بھیجا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، کو جو بھیجا تو اس طرح سے کہ ان کو سوار کرایا۔ وہ اونٹ پر سوار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اور نصیحتیں کرتے جا رہے تھے کہ کیا کرنا ہے، کس طرح کرنا ہے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کے دل پر کس قدر بوجھ ہوا ہو گا کہ وہ تو اونٹ پر سوار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ انھوں نے کچھ نہیں کہا کہ جس طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تھا، اسی طرح سے عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب نصیحتیں پوری ہو گئیں اور واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ! اب تم

جب آؤ گے یمن سے، شاید تمہارا گذر میری قبر پر کو ہو۔ یعنی ملاقات نہ ہو سکے بس تو انھوں نے سوچا کہ اب تو یہ آخری دیدار ہے۔ اس کے بعد دیدار نہیں ہو گا۔ ان کا دل بھر آیا۔ آنکھیں ٹپک پڑیں، آنسو جاری ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر سے منہ پھیر لیا اور مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر لیا واپسی کے لئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ دیکھو! میرے دوست اور میرے محبوب وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں۔ اَیْنُ کَا کُنُوْا مِّنْ کَا کُنُوْا۔ کوئی ہو کہیں بھی ہو، دور نزدیک جو بھی ہوں گے تقویٰ اختیار کریں گے وہ میرے دوستوں میں ہوں گے۔ کوئی شخص جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں محبوب بننا چاہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست بننا چاہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرے۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا، جن چیزوں کو اللہ نے منع فرما دیا، اللہ کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ ان چیزوں سے محفوظ رہنا اور دور رہنا۔ یہ ہے تقویٰ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک صحابی نے دریافت فرمایا کہ بھائی تقویٰ کیا چیز ہے؟ جس کا قرآن پاک میں بار بار تذکرہ آیا ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ کبھی کیٹیلے راستے پر سے چلے ہو، جہاں جھاڑ جھنکاڑ ہوں۔ ایسے راستے پر چلے ہو، وہاں کیسے چلا کرتے ہیں کہ کپڑوں کو اور اپنے بدن کو بچا کر چلا کرتے ہیں کہ ادھر سے کانٹا نہ چبھ جائے، ادھر سے کپڑا نہ اٹک جائے۔ ادھر سے پیر نہ چبھ جائے۔ کہا بس تقویٰ یہی چیز ہے کہ زندگی ایسے طریقے پر گزارے آدمی جیسے غاردار راستے میں وہ جا رہا ہے۔ چلتے چلتے سامنے دیکھا عورتیں بے پردہ چلی جا رہی ہیں آنکھیں نیچی کر لیں۔ کان میں آواز آئی غلط قسم کی، گانے بجانے کی، ادھر متوجہ نہ ہو۔

کوئی شخص بیہودہ باتیں کرتا ہے، گالیاں دیتا ہے، بُرے الفاظ بکتا ہے، اس کے جواب میں زبان کی حفاظت کرے، کچھ نہ کہے۔ عرض اللہ تعالیٰ نے جو اعضاء و عطا فرمائے ہیں، دل ہے، دماغ ہے، آنکھ ہے کان ہے پیر ہے ہاتھ ہے پیٹ ہے شرمگاہ ہے۔ ان سب چیزوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے، خدا کے قانون کے خلاف کوئی چیز نہ ہو۔ یہ ہے تقویٰ۔

لہذا اس طریقہ پر آدمی تقویٰ اختیار کرے۔ یہ طریقہ بتا دیا ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ جو معلوم ہو جائے کہ منشا رب نبوی یہ ہے، بس اس سے گریز نہ کرے۔ اس کا خیال کرے۔

ہمارے بزرگوں میں خاص طور پر یہی چیز تھی۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جمعہ کے دن کپڑے بدلے، جو کپڑے بدن سے اُتارے وہ بھی میلے نہیں۔ وہ بھی صاف ستھرے ہی ہیں ان کو پوٹلی بنا کر باندھ کر رکھ دیا۔ ان کے حجرے میں ایک کھونٹی دیوار میں گڑھی تھی، اس پر ٹانگ دیتے (لٹکا دیتے) تھے۔ ایک شخص کو دیا کہ اس کو کھونٹی پر ٹانگ دو۔ وہاں حجرے میں ایک تپالی بھی رکھی ہوتی تھی، کبھی اس تپالی پر کتاب رکھی ہوتی تھی فرمایا دیکھو۔ تپالی پر دیکھو کہ اس پر کوئی کتاب نہ ہو۔ اگر اس تپالی پر کوئی کتاب ہو تو یہ میلے کپڑے کھونٹی پر نہیں لٹکانا، نیچے رکھنا۔ یعنی اس کے بھی روادار نہیں تھے کہ میلے کپڑے اوپر ٹانگ دیے جائیں اور کتاب نیچے رہے۔ بہت احتیاط برتتے تھے۔ ایک ایک چیز میں اتنا ادب تھا۔ اتنی اتنی باتوں کی یہ حضرات رعایت رکھتے تھے۔ اتباع شریعت اتباع سنت کرتے تھے۔

ایک شخص حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ انھوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ جب وہاں سے واپسی کا

وقت آیا۔ حضرت سبق پڑھانے بیٹھ گئے، بخاری شریف کا۔ میں نے مصافحہ کیا اور کہا کہ مجھے ذرا مشورہ بھی کرنا ہے۔ حضرت فوراً اس جگہ سے الگ ہو گئے۔ الگ آ کر کھڑے ہوئے کہ کہو کیا مشورہ ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت ایک منٹ کی بات ہے وہیں بیٹھ کر سن لیتے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ دری (چٹائی) ہمیں مدرسے اس واسطے دی ہے کہ ہم اس پر بیٹھ کر سبق پڑھائیں حدیث شریف کا۔ اس واسطے نہیں دی کہ دوستوں سے مشورہ کریں۔ پس جو چیز جس کام کے لئے دی گئی اس کو اس کام میں استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے خلاف نہیں۔

اتنا لحاظ رکھتے تھے یہ حضرات ایک ایک چیز کا۔ پورا پورا خیال رکھتے تھے کہ کہیں غلط استعمال نہ ہو۔

حالت یہ تھی کہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے روضہ اقدس کے پاس۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تراویح میں قرآن شریف سنایا اور ادب کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ جب صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے، تو سارا بدن کانپتا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ روضہ اقدس کے سامنے ایک گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ کھڑے ہوتے تھے گردن جھکائے ہوئے خاموشی کے ساتھ، ادب کے ساتھ۔ جو ساقفی ہوتے وہ تھک جاتے۔ ادھر ادھر بیٹھ جاتے۔ وہیں مدینہ طیبہ میں حضرت سبق پڑھا رہے ہیں۔ مسئلہ آیا حیات النبی ص کا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں حیات ہیں۔ طلبہ نے اس کے اوپر اعتراض کیا۔ مولانا نے اس کا جواب دیا۔ پھر اعتراض ہوا پھر جواب دیا۔ پھر مولانا نے ایک دم سے دیکھا روضہ اقدس کی طرف سر اٹھا کر۔ طلبہ نے سوچا کیا بات ہے؟

کیا دیکھ رہے ہیں، سارے طالب علموں نے دیکھا ادھر کو، تو روضہ اقدس کی عمارت
 نہیں اس جگہ پر۔ وہاں جگہ صاف ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما
 ہیں وہاں۔ اس کے بعد کتاب کی طرف نظر کی پڑھانے کے لئے۔ پھر طلباء نے دیکھا
 اس طرف (روضہ اقدس کی طرف) تو وہی عمارت موجود۔ یہ ان حضرات کے
 حالات ہیں۔

ایک ایک چیز کی یہ حضرات رعایت کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی منشا کے خلاف ہو جائے۔

مسلمان اپنے آپ کو اُمّتی کہلاتا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہیں کہاں
 کے اُمّتی۔ گنہگار بھی ہیں اور اُمّتی بھی۔ اُمّتی کی زندگی کا منشا یہ ہونا چاہیے کہ ہمارا
 کوئی کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف نہ ہو۔ اس کی ضرورت ہے۔
 مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے سود دیئے کو سود لینے کو۔ فرمایا
 سود دینے والے پر بھی لعنت، سود لینے والے پر بھی لعنت، سود کھانے والے
 پر بھی لعنت، سود کا رقعہ لکھنے والے پر بھی لعنت، سود کی گواہی دینے والے
 پر بھی لعنت۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ سود کے پاس بھی نہ جائے۔ اسی طرح چھوٹ
 بولنے سے منع فرمایا ہے۔ جھوٹ بولنے سے ایسی بد بو آتی ہے کہ فرشتہ اس کے میلوں
 دُور بھاگتا ہے۔

وعدہ خلافی سے بھی منع فرمایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو وعدہ کرتا ہے
 اور اس کی نیت یہ ہو کہ وعدہ خلافی کروں گا وہ منافق ہے۔ نفاق کی علامت اس میں
 ہے۔ لہذا مسلمان کی زندگی اوروں کی طرح سے نہیں ہونی چاہیے کہ مسلمان یہ سوچے کہ جھوٹ
 بولنے سے تجارت میں ترقی ہوگی۔ سود لینے سے تجارت میں ترقی ملے گی۔ فلاں فلاں
 قوم نے تجارت کی۔ فلاں فلاں قوم کے پاس مال و دولت زیادہ ہے۔ ان کے پاس

حکومت ہے، ان کے پاس ساز و سامان ہے۔ مسلمان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ مسلمانوں کو ان کی حرص نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کو اگر حرص کرنی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کیسی تھی، ان کی حرص ان کا اتباع کرنا چاہیے۔ جس چیز کو دیکھے مسلمان عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انسان بنایا۔ سانپ کو دیکھے تو شکر کرے کہ اے اللہ تو نے مجھے انسان بنایا، سانپ نہیں بنایا۔ جو شخص سانپ کو دیکھتا ہے وہ اس کو مارتا ہے کیونکہ وہ اس کو کاٹتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم دنیا میں کسی کو دیکھو تو اس کو جو تم سے گرا ہوا آدمی ہے اس کو دیکھو۔ تمہارے پاس کپڑا نہیں، کھانے کو نہیں رہنے کے لئے مکان نہیں، دوکان نہیں۔ لہذا جو تم سے گیا گزرا ہے اس کو دیکھو۔ اس کو دیکھ کر سوچو کہ یہ بھی دنیا میں بستا ہے، ان کے پاس کچھ نہیں میرے پاس بہت کچھ موجود ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں دنیا کی مصیبتوں سے کبھی تنگ نہیں آیا۔ صرف ایک مرتبہ کہ میرے پیروں میں جوتا نہیں تھا، ننگے پیر جا رہا تھا۔ میں بازار کو جا رہا تھا وہاں ایک آدمی کو دیکھا اس کے پیر ہی نہیں۔ شکر کیا کہ اے اللہ میرے پاس پیر تو ہے اس کے پاس پیر بھی نہیں۔

میں نے خود دیکھا مکہ مکرمہ میں ایک شخص کو طواف کرتے ہوئے کہ لیٹا ہوا ہے کپڑے سے اس کو باندھ رکھا ہے طواف کرتا تھا اور گردن میں بدل بدل کر طواف کرتا تھا۔ یہ کیفیت تھی۔ لہذا جب دنیا کے اعتبار سے دیکھو تو ہمیشہ اپنے سے کمزور آدمیوں کو دیکھو۔ کسی کے پاس رہنے کو گھر نہیں، کسی کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں۔ کوئی دوکان کے تختے پر لیٹا ہوا ہے۔ کسی کے ہاں کھانا نہیں، بھیک مانگتا پھرتا ہے،

کسی کی صحت ٹھیک نہیں۔ چلنے پھرنے سے عاجز قاصر، کسی کے چہرے پر آنکھیں نہیں، کسی کے سنے کے لئے کان نہیں، بولنے کے لئے کسی کے پاس زبان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی مخلوق موجود ہے۔ ہمیشہ اسی مخلوق کو دیکھنا چاہیے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ فلاں کے پاس اچھی بلڈنگ ہے میرے پاس نہیں۔ فلاں کے پاس گاڑی ہے میرے پاس نہیں۔

اور دین کے اعتبار سے ہمیشہ اپنے سے بڑوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ بھی تو ہمارے جیسے آدمی ہیں، کتنی عبادت کرتے ہیں، کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ روزانہ ایک ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید بادشاہ تھے۔ بہت بڑی حیثیت کے آدمی تھے۔ پانچ سو نفیس روزانہ پڑھتے تھے۔ وہ بھی تو انسان تھے، ہمارے جیسے انسان تھے۔ یہی ہاتھ پیر یہی ناک کان۔ ایسے نہیں کہ دوناک ہوں چار کان ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب بیت اللہ شریف گئے۔ وہاں کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھی، دو رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھا۔ وہ بھی تو آدمی ہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ کھانے کو نہیں ملا تو پیٹ پر پتھر باندھے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہی تھا کہ صبح نماز کے بعد اپنے گھروں میں تشریف لے گئے۔ پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔ تو کہا اچھا میرا روزہ۔ روزہ رکھ لیا۔ پیٹ پر پتھر باندھے تھے۔

ایک دفعہ سخت ترین گرمی کا زمانہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک صحابی حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس گرمی میں کیوں آئے۔ کیا ضرورت پیش آئی؟ کہا۔ حضرت! بھوک بہت لگ رہی ہے۔

بے تاب تھا۔ میں اس واسطے حاضر ہوا کہ آپ کی صورتِ مبارک کو دیکھ کر قلب کو سکون و اطمینان حاصل کروں۔

ایک دوسرے شخص اُٹے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کیسے آگے؟ انھوں نے جواب دیا کچھ کھانے کو نہیں ہے اس لئے آیا کہ شاید آپ کے پاس کھانے کو کوئی چیز مل جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیدکما کسَا بَیْنُ جَوَابَیْکُمَا۔ تم دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ تمہارے جوابوں کا۔ ایک کا جواب ہے کہ آپ کی صورتِ مبارک کو دیکھ کر اطمینان ہو جائے۔ دوسرے کا جواب ہے کہ کھانے کو کچھ مل جائے۔

یہ تینوں کے تینوں (دونوں صحابی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم) گئے ایک انصاری کے پاس باغ میں۔ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا۔ ایسے موسم میں وہ لوگ اپنے بیوی بچوں کو بھی باغ میں لے جایا کرتے تھے۔ بوریہ کھڑا کر کے ایک مکان کی شکل بنایا تھا۔ ان کے بال بچے بھی وہاں تھے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ انصاری باغ میں موجود نہیں ہیں۔ کہیں سے ٹھنڈا پانی لینے کے لئے رگئے ہوئے ہیں۔ میٹھا ٹھنڈا پانی کہیں فاصلے پر تھا۔ وہ پانی لینے کے لئے گئے۔ یہ حضرات جا کے کہیں درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں وہ انصاری صحابی آگئے۔ انھوں نے کہا۔ ادھو دو جہاں کے سردار میرے باغ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کتنی خوش قسمتی ہے پرمیری۔ وہیں سے ایک بانس اُٹھایا اس سے کھجوروں کا ایک گچھا توڑا اور لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں بعض کھجوریں بالکل پکی تھیں اور بعض کچھ پکی اور کچھ پکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کچھ پکی پکی کیوں توڑ لائے۔ جو بالکل پکی تھی وہ لاتے۔ انھوں نے کہا کہ حضور! بعض کو یہ پسند ہے اور بعض کو پسند۔ جو نسی پسند ہو وہ کھالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے

کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ النَّعِيمَ۔ قیامت میں نعمتوں کا سوال بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے، ہمارے پیدا کئے ہوئے درختوں کے سائے میں تم بیٹھ گئے۔ ہمارے پیدا کئے ہوئے درختوں کی کھجوریں کھائیں۔ ہمارا پیدا کیا ہوا ٹھنڈا پانی بھی پیا۔ کیا نیک عمل کر کے لائے۔ ہم سوچیں کتنے اچھے اچھے کپڑے پہنے، کتنے اچھے اچھے مکانات میں رہتے ہیں۔ کیسا ٹھنڈا پانی پیئے ہیں، کئی کئی قسم کا کھانا کھاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی آتا ہے کہ حساب بھی دینا ہے اللہ کے یہاں۔ کیسی غلط زندگی گزر رہی ہے، ہمیں اپنی زندگی پر غور کرنا چاہیے۔ نظر کرنی چاہیے کہ کس کام کے لئے دنیا میں ہم بھیجے گئے ہیں۔ اس کام میں لگیں۔ آج مسلمان سارے کام اور ساری ترقیات کے باوجود مطمئن نہیں۔ اس کے قلب کو سکون و اطمینان نہیں۔ اس کشمیر کے علاقے میں اُنے پر اتنے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ ہمیں سکون نہیں، پریشانی ہی پریشانی ہے۔ ہم کو یاد بھی نہ رہا کہ کتنوں نے بیان کیا۔ اور سکون، ہم نے کس چیز میں سمجھ رکھا ہے، غلط جگہوں میں سمجھ رکھا ہے۔ آپ بتائیے کہ آپ کو پیاس لگ رہی ہے۔ کیا اس مائیک سے پانی لیں گے۔ گڑسی سے پانی لیں گے۔ دیوار سے پانی لیں گے۔ نہیں پانی اپنی جگہ پر ملے گا۔ نل میں ملے گا۔ دریا میں ملے گا۔ کنویں میں ملے گا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر ملتی ہے۔ نمک کی ضرورت ہو تو نمک مائیک سے گڑسی سے دیوار سے نہیں ملے گا۔ نمک اپنی جگہ سے ملے گا۔

اسی طرح سے آج مسلمان اطمینان کو تلاش کر رہا ہے بے جگہ۔ جہاں اس کی جگہ نہیں۔ یوں سمجھتا ہے کہ مجھے گاڑی مل جائے تو اطمینان ملے گا۔ مجھے میری پریشانی دور ہو جائیگی خدا جانے کتنے روپے اُدھار بنک سے لئے۔ سود کا معاملہ کیا۔ کس کس طرح سے کوشش کر کے گاڑی حاصل کی۔ گاڑی بھی حاصل کی تو کیا اطمینان ملا۔ اکسیڈنٹ ہو گیا۔ گاڑی بھی گئی۔

ڈرائیور بھی گیا خود بھی گیا۔ اس میں کہاں اطمینان رکھا ہے۔

کوئی شخص سمجھتا ہے کہ مجھے ریل گاڑی مل جائے، تو مجھے اطمینان مل جائے گا۔
 ریل گاڑی کی ٹکر ہو جائے، تو سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔
 کوئی سمجھتا ہے کہ مجھے ہوائی جہاز مل جائے اس سے بہت آمدنی ہوگی لیکن ایک ٹکر سے
 ہوائی جہاز نیچے گر پڑتا ہے تو سب ہلاک ہوتے ہیں۔ غرض انسان بے جگہ اطمینان
 تلاش کرتا ہے وہاں اطمینان نہیں ہے۔ کوئی سمجھتا ہے مجھے وزارت مل جائے میں
 وزیر اعظم بن جاؤں گا تو اطمینان ہو جائے گا۔ کیا وزیر اعظم ہونے سے اطمینان
 ہوتا ہے۔ کتنے وزیر اعظموں کو دیکھا کہ ان کا کیا حلیہ بنا۔ کس کس طرح سے ان
 کو ختم کیا گیا۔ کوئی سمجھتا ہے کہ مجھے روپیہ مل جائے، نوٹوں کی گڈی مل جائے مجھے
 اطمینان ہو جائے گا۔ اگر نوٹوں کی گڈی پر ایک دیک کا کیڑا مسلط ہو جائے
 تو سارے نوٹوں کو کھا کے ختم کر دے گا۔ کیا وہ بھی اطمینان ہے جو ذرا سے کیڑے
 سے ختم ہو جائے گا۔ اطمینان ان جگہوں میں کہاں ہے۔ یہاں اطمینان مسلمان بے جا
 تلاش کر رہا ہے۔

اطمینان ہے تو اللہ کے ذکر میں ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ
 اللہ کے تعلق میں اطمینان ہے۔ اللہ کے ساتھ جتنا تعلق ہوگا اسی قدر اطمینان حاصل ہوگا۔
 آدمی یہ سمجھ گا کہ کہیں سے مجھے کچھ ملے یا نہ ملے۔ میرا رزاق حق تعالیٰ ہے۔ کسی پر میرا
 دار و مدار نہیں ہے۔ ایک شخص ملازمت کرتا ہے اور رات دن فکر رہتی ہے کہ کہیں
 ایسا نہ ہو کہ مجھ سے میرا فسرنا راض ہو۔ مجھے رد کر دیں تو کیا ہوگا۔ کہیں میری روزی
 اس پر موقوف ہے۔ روزی دیے والا حق تعالیٰ ہے۔ یہ دروازہ بند ہو جائے گا تو
 دوسرا دروازہ حق تعالیٰ کھولے گا۔ اور ان کے خزانے میں کمی نہیں آئے گی۔ اسی طریقے
 پر رات دن قسم قسم کے ادھام اور دساوس میں مبتلا ہے۔ یہ ہو جائیگا وہ ہو جائیگا

ہو جائیگا تو کیا ہوگا۔ لیکن اگر تعلق حق تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ ہو تو سمجھ گاہ
کہ میری حفاظت کرنے والا وہ ہے۔ نہ مجھے کوئی بندوق مار سکتی ہے نہ تو پاؤں مار سکتی
ہے نہ ہم کا گولہ ختم کر سکتا ہے۔ میری حفاظت کر نیوالا اللہ تعالیٰ ہے۔

چور مال لے جائے، دوکان خراب ہو جائے، بینک فیل ہو جائے تو کیا ہوا میرا
تعلق حق تعالیٰ سے ہے اس کے خزانے میں کمی نہیں آتی اس کے خزانے میں جو کچھ تو
موجود ہے۔

ایک بزرگ کے پاس اکران کے خادم نے عرض کیا کہ حضرت! فلاں بادشاہ
نے جو آپ کے پاس ایک موتی یا ہیرا بھیجا تھا۔ ایسا قیمتی۔ وہ کھو گیا۔ اٹھوں نے
ذرا آنکھ بند کی۔ گردن جھکائی اور کہا الحمد للہ۔ لیکن خادم تلاش کرنے میں لگ
گئے۔ تلاش کرتے کرتے مل گیا۔ پھر خادم نے اکر عرض کیا کہ حضرت وہ ہیرا مل گیا۔
حضرت نے آنکھ بند کی۔ گردن جھکائی تو فرمایا الحمد للہ۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات
ہے؟ تو فرمایا کہ جب اپنے خبر دی کہ موتی کھو گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرا اطمینان تو
نہیں کھو گیا۔ میرے قلب میں تو کوئی پریشانی نہیں۔ دیکھا تو میرے قلب کا اطمینان
بالکل اسی طرح سے ہے۔ تو میں نے کہا الحمد للہ۔ پھر جب خبر دی کہ پاگیا تو دیکھا کہ میرے
دل کو کچھ خوشی تو نہ ہوئی۔ تو دیکھا کہ کوئی خوشی نہیں۔ بالکل اسی طرح مطمئن ہے۔
اس پر کہا الحمد للہ کہ میرے قلب کا اس کے وجود سے کچھ تعلق نہیں۔ ہو تو خوشی نہیں
چلا جائے تو کوئی غم فکر نہیں۔ مسلمان کی زندگی کا حال یہی ہونا چاہیے۔

اس کی نظیریں صحابہ کرام کی زندگی میں کثرت سے ملیں گی۔ اللہ الصمد۔ صحابہ جیسا
ایشوار، صحابہ جیسی ہمدردی، صحابہ جیسی سخاوت کہاں کسی کو نصیب ہوگی، ان کو اپنے
اللہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دنیا کی کسی چیز پر نہیں۔

ایک صاحب ہیں حضرت زرارہؓ بن ادنیٰ۔ جہاد کرنے گئے۔ گھوڑے پر سوار۔

اور طریقہ جہاد اس زمانے میں یہ تھا کہ ادھر ایک لشکر پڑا، ہوا ادھر دشمن کا لشکر ہے درمیان میں میدان ہے ایک آدمی ادھر سے مقابلہ کیلئے نکل آتا ہے ایک آدمی اس کے مقابلے میں ادھر سے آتا ہے۔ یہ دونوں لڑتے ہیں ان میں ایک ختم ہو جائے تو پھر دوسرا آدمی آیا کرتا ہے۔ ادھر سے تیسرا اور چوتھا۔ یہاں تک کہ گھمسان کی لڑائی ہو جاتی۔ تو ان کو اپنے دشمن سے لڑتے لڑتے بہت دیر ہو گئی یہاں تک کہ گھوڑا بھی تھک گیا۔ تو قریب تھا کہ گھوڑا بیٹھ جائے۔ تو انھوں نے گھوڑے کی گردن کے بال پکڑ کر کہا۔ دیکھ اگر آج تو نے دغا دی تو کل قیامت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری شکایت کروں گا۔ بس ان کا یہ کہنا تھا کہ گھوڑے نے پھریری لی، ہنہنایا، انھوں نے یکدم جو حملہ کیا تو دشمن کو ختم کر دیا۔ تو گھوڑا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے اتنا متاثر ہوا۔ افسوس آج مسلمان متاثر نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع نہیں کرتا۔ صورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے خلاف ہیں، لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے خلاف، رہنا سمنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے خلاف۔ ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف۔ اطمینان کا مرکز کیا ہے؟ اتباع سنت ہے۔ جس قدر اتباع سنت کیا جائے گا، اسی قدر اس کو اطمینان مل جائیگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ کہنے والے کو بھی، سننے والے کو بھی۔ آمین!



www.ahlehaq.org

اعمال صالحہ میں حیات ہے

بتاریخ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ بروز جمعرات
بمقام خانقاہ محبود یہ
ریٹ فینٹن، یامریج، ٹرانسوال، ساؤتھ افریقہ

www.ahlehadith.org

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ
وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَلَا تَعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

اس آیت شریفہ میں یہ ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم قبول کرو اللہ کی
دعوت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو اس چیز کے لئے جس میں تمہارے
لئے حیات ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جس چیز کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں
بلا رہے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی طرف تم کو دعوت دے
رہے ہیں بلا رہے ہیں اس کو قبول کرو۔ لیکن کہو۔ ان کی دعوت پر حاضر ہو جاؤ۔
لِمَا يُحْيِيكُمْ ایسی چیز کی طرف دعوت ہے جس میں تمہارے لئے حیات ہے۔ تمہارے
لئے زندگی ہے۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہو جاتے ہیں آدمی اور اس کے
دل کے درمیان اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا۔ اور ایسے فتنے سے ڈرو جو صرف

انہی لوگوں کو نہیں پہونچے گا جو تم سے خاص آدمی ہے بلکہ سب کو پہونچے گا۔ جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے خاص طور پر انہی کو فتنہ نہیں پہونچے گا بلکہ سب کو پہونچ جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ اس آیت میں یہ خطاب ہے کہ اللہ نے جس چیز کی طرف تم کو بلایا ہے، دعوت دی ہے کہ اے ایمان والو! فلاں کام کرو۔ اے ایمان والو! فلاں کام کرو۔ اس دعوت پر تم تیار ہو جاؤ۔ اس دعوت کو تم قبول کرو۔ اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اس چیز کو اختیار کرو جس چیز کی طرف اللہ نے دعوت دی ہے اور اللہ کے رسول نے دعوت دی ہے۔ جس جس چیز کی بھی دعوت ہے سب کو اختیار کرو۔ قرآن کریم میں اور حدیث شریف میں کیا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ سے عقائد کو پختہ کرنا ہے۔ اللہ صرف ایک ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ یہ تمام عالم کا نظام اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ روزی دیئے والا صرف اللہ ہے۔ مدد کرنے والا صرف اللہ ہے۔ نفع اور نقصان سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ موت اور حیات کا مالک صرف اللہ ہے۔ یہ سب چیزیں یقین کے پختہ کرنے کے لئے ہیں۔ ان چیزوں پر لبیک کہو۔ ان چیزوں کو قبول کرو۔ تسلیم کر لو کہ ہاں واقعہ اسی طرح سے ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اخلاق درست کرنے کے لئے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ میں ہمدردی کرو۔ حسد نہ کرو۔ تکبر نہ کرو، سخاوت کرو، بخل نہ کرو، نرمی کرو، تشدد نہ کرو۔ یہ اخلاق کی چیزیں ہیں۔ کچھ چیزیں اعمال سے متعلق ہیں۔ اعمال میں کچھ عبادات ہیں۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو۔ اور کچھ چیزیں معاملات سے متعلق ہیں۔ نکاح کا طریقہ یہ ہے۔ طلاق کا طریقہ یہ ہے۔ کسی گھر میں بچہ پیدا ہو تو اس پر کیا کرنا چاہیے؟ کسی کے گھر میں موت واقع ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ تجارت کا لین دین ہو تو اس طرح سے ہو۔ ملازمت ہو تو اس طرح سے ہو۔ یہ چیزیں ہیں۔ انہی سب چیزوں سے مل جل کر

حیات بنتی ہے۔ جس شخص کے اندر یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ اللہ نے جس کو یہ سب چیزیں عطا فرمادیں تو اس کی زندگی اعلیٰ درجہ کی زندگی ہے۔ اور جس شخص کے اندر ان چیزوں میں سے جتنی کمی ہے اتنی ہی اس کی زندگی میں کمی ہے۔ ویسے تو زندہ رہنے کو کافی بھی زندہ ہیں دنیا میں۔ اور ادنیٰ ادنیٰ بلڈنگیں بنا کر بہت بڑا کاروبار پھیلا کر زندہ ہیں۔ لیکن حقیقتاً زندگی وہ نہیں۔ زندگی وہ ہے جو مولیٰ جل شانہ کے ساتھ ہو۔ جس کا اس سے تعلق ہے اس کی زندگی زندگی ہے۔ جسے شوہر کا تعلق ہوتا ہے۔ بیوی کا شوہر کے ساتھ تعلق ٹھیک نہیں ہے۔ شوہر اس سے ناخوش ہے۔ اور بیوی آزاد ہو گئی، نافرمان ہو کر ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے چاہے اس کے پاس حسن و جمال بھی ہو، چاہے اس کے پاس مال دولت بھی ہو۔ لیکن شریف طبقہ یوں کہتا ہے کہ اس کی زندگی تباہ ہے۔ اس لئے کہ اصل زندگی شوہر کی اطاعت کے ساتھ ہے۔ شوہر کی محبت کے ساتھ ہے۔ جس عورت کا شوہر سے تعلق صحیح نہیں ہے۔ شوہر کو ناخوش کر کے ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے۔ دوستوں میں آوارہ پھرتی ہے۔ کوئی شریف آدمی اس کو پسند نہیں کرتا۔ کہتا ہے کہ اس کی زندگی تباہ ہے۔ برباد ہے۔ یہی حال ہے کہ مالک حقیقی کے ساتھ جس کا تعلق نہیں ہے اس کی اطاعت و فرماں برداری نہیں کرتا، اس کی زندگی، زندگی نہیں ہے۔ یہ تو موت ہے بلکہ موت سے بھی بدتر ہے۔ یہ تباہی کی چیز ہے۔ موت میں تو یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی مر جائے تو اس کے بُرے اعمال نہیں لکھے جلتے۔ مصیبت ختم ہوئی، بُری بات ختم ہوئی۔ لیکن جسکی زندگی خراب ہو جائے، اعمال بُرے ہو جائیں بد اعمالیاں اس کی بڑھتی رہتی ہیں، اس کے جرائم بڑھتے رہتے ہیں۔ نہایت خطرناک چیز ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ لَمَّا يُحْيِيكُمُ۔ جس چیز کے ذریعے اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اس چیز

کو اختیار کرو تمہارے لئے حیات ہے۔ ایک شخص زندہ ہے لیکن اس کی آنکھ کام دیتی ہے نہ کان کام دیتا ہے، نہ زبان کام دیتی ہے، نہ ہاتھ پیر کام دیتے ہیں۔ فالج پڑا ہوا ہے، پڑا ہے ایک جگہ۔ کیا اس کی زندگی، زندگی ہے۔ وہ تو سب کے اوپر بار ہے۔ رشتہ داروں پر بار ہے۔ سب پریشان ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس کا قصہ ختم ہو جائے۔ یہ مشکل آسان ہو جائے۔ جلدی سے جلدی یہ دُنیا سے اُٹھ جانے تو سب کو راحت ملے۔ اس کی آنکھ بھی موجود، کان بھی موجود، دیکھنے کو ساری چیزیں موجود ہیں لیکن کارآمد کوئی نہیں ہے ان میں سے۔ اسی طریقہ پر جو شخص اپنے مالک جل شانہ کے ساتھ میں تعلق نہیں رکھتا، اس کے احکام کی پیروی نہیں کرتا۔ دیکھنے میں تو وہ کھاتا پیتا بھی ہے چلتا پھرتا بھی ہے سب کچھ کرتا ہے لیکن حقیقتاً اس کی زندگی، زندگی نہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں لِمَا يُحْيِيكُمْ ہمارے لئے حیات اس میں ہے۔ قرآن کریم میں ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَنُحْيِيْہٗ حَیوَةً طَیْبَةً۔ جو شخص تم میں سے نیک عمل کرتا ہے بحالتِ ایمان چاہے مرد ہو یا عورت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو حیات عطا کرتے ہیں، حیوۃ طیبہ عطا کرتے ہیں۔ حیات طیبہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے ملتی ہے۔ جو حیات ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر ہے وہ حیات، حیات نہیں ہے۔ خدائے پاک نے جتنے احکام بھی مشروع فرمائے ہیں ان سب میں بندوں کے مصالح کو ملحوظ رکھا ہے۔ نیک عمل کرنے سے خدا کی خدائی میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ بلکہ بندوں کی بندگی میں ترقی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے سجدہ کرتا ہے، تو یہ احسان نہ رکھے کہ میں نے خدا کی عبادت کی۔ خدا پر کوئی احسان نہیں۔ اس نے سجدہ سامنے کر کے پیشانی زمین پر رکھ کر اپنا ایک مقام حق تعالیٰ کے یہاں پیدا کر لیا۔ اللہ کی اطاعت کر کے اس نے اپنا ایک

مقام بنالیا، درجہ حاصل کر لیا۔ اللہ کے یہاں اس کے واسطے ایک مقام بن گیا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں: لَمَّا يُحْيِيكُم تَہَارَے لئے حیات ہے اس میں اس لئے ایک عارف فرماتے ہیں: ۛ

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگان جو دے کنم

حق تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ان سے کچھ نفع اُٹھاؤں بلکہ اس لئے کیا تاکہ ان کے اد پر بخشش کروں۔ جو د کروں۔ کرم کی بارش برسائوں ان پر۔ بتائیے چاند سورج نہ ہوں تو اللہ کا کیا نقصان۔ آسمان زمین نہ ہو تو اللہ کا کیا نقصان۔ آدمی اور جانور نہ ہوں تو اللہ کا کیا نقصان۔ کچھ نہیں نقصان۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ اس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا تاکہ اپنے کرم کی بارش برسائے۔ اپنی عنایات ان کو عطا فرمائے، اس لئے پیدا کیا ہے ان سب چیزوں کو، تو انسان اگر حق تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرتا ہے، اس بندگی سے حق تعالیٰ کا نفع نہیں بلکہ بندہ کا نفع ہے۔ یہاں کی زندگی بھی اس کی عمدہ ہوگی اور قبر کی زندگی بھی عمدہ ہوگی۔ آخرت کی زندگی بھی عمدہ ہوگی۔ یہاں کی زندگی کا کیا ہوگا جو فرشتے کرنا کا تین نامہ اعمال کو لکھے والے ہیں وہ نیکیاں ہی نیکیاں لکھتے رہیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نیک بندہ جس جگہ نماز پڑھتا ہے اور پھر اس کے بعد جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ جگہ روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھا کرتا تھا۔ جس دروازے سے آسمان پر اس کا عمل چڑھتا ہے جب یہ مرجاتا ہے تو آسمان روتا ہے کہ یہاں بندہ کا نیک عمل آیا کرتا تھا۔ اب آنا بند ہو گیا تو آسمان اس کے اوپر روتا ہے زمین اس کے اوپر روتی ہے۔ چیونٹی اپنے سوراخ میں اس کے لئے دعا کرتی ہے۔ مچھلی پانی کے اندر اس کے لئے دعا کرتی ہے۔

اس کے واسطے سب کی طرف سے مبارکبادیاں ہوتی ہیں۔ نیک بندے کی برکت سے اللہ تبارک و تعالیٰ اس پاس کی مخلوق پر بھی رحمت کی بارش برساتے ہیں۔ فیض پہنچتا ہے۔ جانور بھی اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارانِ رحمت ہوتی ہے۔ غلہ اُگتا ہے۔ قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعمالِ صالحہ کی برکت سے ہوتا ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا، اس کے فرمائے ہوئے عقائد کو اختیار کرنا، اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے اخلاق پر عمل کرنا، یہ کیا ہے، یہ خود اس کے لئے بھی زندگی کا سامان ہے۔ جانوروں پر بھی رحمت ہے اور تمام مخلوقات پر اس کے ذریعہ سے رحمت ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ**۔ اے ایمان والو! قبول کرو اس دعوت کو جو اللہ نے دی، اللہ کے رسولؐ نے تم کو دعوت دی۔ دعوت کس چیز کی دی؟ ایسی چیز کی دی جس میں تمہارے لئے حیات اور زندگی ہے اس کو اختیار کرو۔ اور جس وقت میں نیک عمل کی خواہش پیدا ہو طبیعت میں اس کو ٹلاؤ نہیں کہ کل کریں گے۔ صبح کو نہیں شام کو کر لیں گے۔ شام کو نہیں کل کو کر لیں گے۔ ایسا مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اگر نیک کام کی قلب میں خواہش پیدا فرمائے، تم اس کو ٹلاؤ نہیں۔ مؤخر مت کرو۔ یہ مت کہو کہ کل کر لیں گے کام سے فارغ ہو کر، جس وقت طبیعت میں داعیہ پیدا ہو اسی وقت میں اس نیک عمل کو جلدی سے جلدی کرنا چاہیے۔ مثلاً طبیعت میں داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ جیسے ہی داعیہ پیدا ہوا کہنا چاہیے: **اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ**۔ یہ نہ سوچے کہ دکان سے اُٹھ کر پڑھیں گے۔ یہ نہ سوچے کہ مکان جا کر کریں گے۔

رات کو جب سونے کے لئے لیٹیں گے تب کر لیں گے۔ ایسا نہیں بلکہ جس وقت داعیہ پیدا ہو اسی وقت میں کر لینا چاہیے۔ ایسے ہی قرآن پاک کی تلاوت کا داعیہ پیدا ہوا کو شش کرنی چاہیے کہ جلدی سے جلدی اس داعیہ کو پورا کر لیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قضائے حاجت کی۔ اور آپ کی عادت مبارکہ تھی با وضو رہنے کی، آپ نے تیمم کر لیا۔ کسی نے کہا حضور پانی تو وہاں قریب ہے۔ فرمایا کیا خبر وہاں تک پہنچ پاؤں یا نہ پہنچ پاؤں۔ تیمم کی پاکی حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی، پانی یہاں نہیں دور ہے۔ اس لئے تیمم کر لیا۔ اسلئے کہ کیا خبر ہے وہاں تک پہنچنے کی۔ اس سے بتا دیا کہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے درمیان میں کوئی رکاوٹ پیش آجائے۔ کیا خبر ہے موت آجائے۔ داعیہ پیدا ہوا تھا نیک کام کا۔ اس میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا یا ایہا النّاس اجلسوا۔ اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔ تو جو حضرات جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ نبی کی آواز کان میں جہاں پر پی و ہیں بیٹھ گئے۔ کوئی اس کو نے میں تھے کوئی اُس کو نے میں ہیں۔ کوئی پہلی صف میں ہیں وہیں بیٹھ گئے۔ کوئی دوسری صف میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ کوئی تیسری صف میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر سے اُ رہے تھے وہ ابھی تک مسجد میں نہیں پہنچے تھے مسجد کے دروازہ سے باہر تھے ان کے کان میں بھی یہ آواز پہنچی اجلسوا بیٹھ جاؤ۔ وہ وہیں مسجد سے باہر ہی بیٹھ گئے۔ اس واسطے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماننے میں جلدی کرنا چاہیے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی اُن پر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابن مسعود آگے آ جاؤ۔ یہ آئے مسجد میں بیٹھ گئے۔ بظاہر تو یہ ہے

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا تھا کہ اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔ یہ خطاب انہی لوگوں کو تھا جو مسجد میں تھے۔ اور مقصد یہ تھا کہ مسجد میں جو سلسلے موجود ہیں بیٹھ جائیں۔ جیسے کہ وعظ کرنے سے پہلے کہا جاتا ہے۔ کبھی سب حضرات بیٹھ جائیں تشریف رکھیں وعظ ہوگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ گئے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں سوچا کہ مسجد میں چل کے بیٹھنا چاہیے۔ اسی واسطے جیسے ہی آواز کان میں پہونچی جلدی سے جلدی حکم کی تعمیل کی۔ ہو سکتا ہے کہ اُن کی طبیعت میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اگر مسجد میں چل کے بیٹھوں اور اس سے پہلے پہلے موت آجائے فرشتہ ربوت گردن دبا لے آکر۔ اگر قیامت میں خداوند تعالیٰ کے یہاں سوال ہو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز تمہارے کان میں پہونچی کہ بیٹھ جاؤ اور تم بیٹھے نہیں۔ تم نے یہ سوچا کہ مسجد میں جا کے بیٹھوں۔ کیا نبی نے یہ فرمایا تھا کہ مسجد میں جا کر بیٹھنا۔ اس واسطے چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے جلدی سے جلدی تعمیل ارشاد کی جائے۔ فرمایا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سَبِّحُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ۔ ہمیشہ یہ تصور رکھنا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے جس ارشاد پر عمل کیا جائے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس حکم پر عمل کیا جاوے یہ حکم یہ ارشاد ہماری مصلحت کے لئے ہماری حیات کے لئے ہے۔ اس سے ہماری دنیوی زندگی بھی بنتی ہے اور برزخی زندگی جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے وہ بھی بنتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں۔ آکر اس کے اندر روح کو داخل کرتے ہیں اٹھا کر بٹھاتے ہیں۔ پھر سوالات کرتے ہیں۔ پوچھتے ہیں مَنْ رَبُّكَ؟ تیرا رب کون ہے؟ اگر اس زندگی میں اس نے رب کو رب مانا، خدا کو رب مانا تھا اور اعتماد

اور بھروسہ خدا پر تھا۔ جانتا تھا کہ یہی میری پرورش کرنے والا ہے۔ یہی میری روزی دینے والا ہے۔ ساری زندگی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے تو فوراً بے دھڑک کہدے گا میرا رب اللہ ہے۔ اور اگر اس نے اس دنیا میں رہ کر خدا کو رب نہیں مانا بلکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مجھے تو روزی دینے والی یہ دوکان ہے۔ یہ دوکان نہیں ہوگی تو مجھے کہاں سے روزی ملے گی۔ میں اور میرے بیوی بچے بھوکے مریں گے۔ روزی دینے والی میری ملازمت ہے۔ میری ملازمت چھوٹ جائے گی تو کہاں سے کھاؤں گا، کہاں سے میرے بیوی بچے کھائیں گے۔ بھیک مانگیں گے، پریشان ہوں گے۔ یہ چیزیں زبانوں پر آتی ہیں مسلمانوں کے۔ اس واسطے میں عرض کر رہا ہوں ایسا کہنے والے کو سوچنا چاہیے اس دنیا میں رہتے ہوئے اس نے اپنا روزی دینے والا، روزی رساں اپنی دوکان اور اپنی ملازمت کو مانا تو وہاں کیا جواب دے گا وہ کیسے ربی اللہ کہے گا۔ یہاں اگر اپنا رب روزی رساں اللہ کو مانا، اس کے دل میں پورا اعتماد ہے پورا یقین ہے اس کو کہ میری تربیت کرنے والا، پالنے والا خدا ہے۔ تو وہ یقیناً کہدے گا۔ اور اگر اس دنیا میں اس یقین سے بے تعلق رہا۔ اس دولت کو اپنے سینے کے اندر لے کر نہیں گیا تو کیا جواب دے گا، پریشان ہوگا۔ ہائے افسوس میں تو نہیں جانتا۔ لَا اَدْرِی لَا اَدْرِی یہی کہے گا۔ بڑی خطرناک چیز ہے۔ جب اس نے صحیح جواب دے دیا۔ کہدیا ربی اللہ میرا رب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری تربیت کی۔ ہر چیز میری خدا کے قبضہ میں ہے۔ رب کو پہچانا اس نے۔ دوسرا سوال کریں گے مَا دِیْنُکَ؟ تیرا دین کیا ہے؟ اگر اس دنیا میں رہتے رہتے دین اسلام کو اس نے پورے طور پر سمجھا اور دل کے اندر رچا لیا ہے، اپنے کو دین اسلام کے ماتحت کر دیا ہے تو بے تکلف کہدے گا دِیْنِی الْاِسْلَامُ چونکہ قرآن پاک میں ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ

لَكُمْ دِينُكُمْ وَانْتَسَبْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہارے لئے دین اسلام سے میں راضی ہوں۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں بڑے نقصان میں رہے گا۔ تو اس دُنیا میں رہتے رہتے اگر خدائے پاک کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو اختیار کیا اور دین اسلام کے ساتھ مانوس ہو گیا تو بے تکلف کہہ دے گا۔ تیسری چیز یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ ان کے متعلق کیا کہتے ہو۔ اگر یہاں رہتے رہتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو پہچاننا ہے، سمجھنا ہے کہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، خداوند تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے جو ہماری ہدایت کے لئے اپنے سب سے زیادہ چھپتے، سب سے افضل، سب سے زیادہ محبوب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ اور ان کے احکام کو اس دنیا میں رہتے رہتے سمجھا اور اُن پر عمل کیا دل سے اُن اعمال کی چاہت رہی تو وہ کہہ دے گا کہ وہ ہمارے رسول، ہمارے آقا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ پھر وہاں کیا ہو گا اس کے لئے، اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جا گا جہاں تک اس کی نظر جائے گی اتنی کشادہ ہو جائے گی۔ تنگی اس میں نام کو بھی نہیں ہو گی۔ اس میں دروازہ کھول دیا جائے گا جنت کا۔ وہاں جنت کی ہوائیں، خوشبوئیں آئیں گی، سبزہ زار سارا منظر نظر آئے گا۔ یہ ہے حیات، برزخ کی حیات۔ بعضوں کے متعلق آتا ہے کہ ان کی رُوہیں جنت کے پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی۔ ایک پوٹا داہنا رہتا ہے کبوتر کا کاندھے پر اس میں ان کی رُوہیں ہوں گی عرش کی قندیلوں میں جا کر رات گزاریں گی۔ بعض کے متعلق آتا ہے کہ رُوہیں وہاں جنت کی نہروں میں غوطہ لگائیں گے۔

غرض عمدہ راحت بڑے عیش و آرام کی زندگی ہوگی۔ یہ زندگی کیسے حاصل ہوگی؟ یہ ایسے حاصل ہوگی مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو سمجھے، دل کے اندر یقین جمائے باری زندگی کو ان کے ماتحت گزارے۔ اس کے ذریعہ سے وہ حیاتِ بنی ہے۔ دنیا کی حیات بھی بنی ہے، آخرت کی حیات بھی بنی ہے، برزخ کی حیات بھی بنی ہے۔ اس کے بعد پھر جب قیامت میں اکٹھے گئے جنت میں ایک اور حیات ملے گی۔ وہ حیات بھی بنی ہے، اعلیٰ درجہ کی بنی ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ حشر کے دن کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ کے سایہ کے سوا۔ خاص خاص آدمی جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر عمل کرتے ہیں، وہ اللہ کے سایہ میں ہوں گے۔ ورنہ تو حال یہ ہوگا کہ آفتاب بالکل قریب ہوگا۔ اور دماغ اس طرح سے کھولتے ہوں گے جیسے ہنڈیا چولھے پر رکھ کر آگ جلائی جائے۔ اور کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا پسینہ گھٹنوں تک ہوگا، کسی کا کندھوں تک ہوگا اور کوئی بالکل غرق ہوگا پسینہ میں۔ اور اس کی بدبو ناقابلِ برداشت ہوگی۔ یہ سب مصیبتیں ہوں گی وہاں۔ ان مصیبتوں سے نجات کی صورت یہی ہے کہ اس دنیا میں رہتے رہتے اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو انسان سوچ لے، سمجھ لے، اپنالے، عمل کر لے۔ یہاں تک کہ اللہ پاک کا حکم اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تمام چیزوں پر غالب ہو جائے۔ اس کے حکم کو پورا کرنے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔ نہ بیوی بچوں کے تعلقات اس میں رُکاوٹ بنیں، نہ دوکان و ملازمت کے تعلقات، نہ عہدے اور سلطنت کے تعلقات، نہ اپنے نفس کے تعلقات، نہ کسی چیز کے تعلقات، ہر چیز پر بھی اللہ کی

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے لئے حکم بتلادئے ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ اس لئے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کرنے میں اس دنیا کی حیات بھی بنتی ہے اور برزخ کی حیات بھی بنتی ہے۔ آخرت کی حیات میں کیا ہوگا۔ وہاں پر عرش کا سایہ ملے گا۔ اور حوض کوثر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے پانی پلائیں گے۔ اس سے بڑی خوشی کی چیز ایک مسلمان کے لئے کیا ہو سکتی ہے کہ سرورِ کائنات محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جام کوثر پلائیں۔ یہ انتہائی خوشی کا مقام ہوگا، انتہائی اعزاز و اکرام کا مقام ہوگا۔ دُزنِ اعمال کے وقت میں جب اعمالِ نیک لے جائیں گے انشاء اللہ نیکوں کا پلڑا بھاری رہے گا۔ اور جو گناہ کئے ہیں خطائیں تھوڑی بہت ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف فرمادیں گے اور پل صراط پر بہت سہولت کے ساتھ گزریں گے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے اُس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی پُلِ صراط کیا ہے۔ جہنم کے اوپر ایک پُل بنا ہوا ہے اس پر سے گزرنا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں کہ جیسے اُپ کے میاں پُل بنا دیا جاتا ہے جس کے اوپر گاڑیاں گزرتی رہتی ہیں۔ بلکہ اس پُل کی تو شبیہ دیکھتی ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز۔ اس میں بعضے بعضے آدمی ایسے گزر جائیں گے جیسے ایک ہوا کا جھونکا نکل گیا۔ بعضے بعضے آدمی ایسے گزریں گے جیسے بجلی کووند کرادھر سے اُدھر پہنچ گئی۔ بعضے ایسے گزر جائیں گے جیسے تیز رفتار گھوڑا گزر جاتا ہے۔ بعض آہستہ آہستہ ٹہلتے ٹہلتے آرام سے گزریں گے۔ یہ سب وہ لوگ ہوں گے جن پر حق تعالیٰ نے انعام فرمایا، جن کا ایمان قوی اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہوگا یہ وہ لوگ ہوں گے۔ اور بعضے لوگ ایسے ہوں گے کہ جن سے چلا نہیں جائے گا۔ چلیں گے پھر گریں گے، چلیں گے پھر

گریں گے۔ بعضے لوگ ایسے ہیں جن کو وہاں روک دیا جائے گا کہ تم نے دنیا میں فلاں فلاں کام کئے ہیں، ان کی جواب دہی کرو تب آگے بڑھ سکو گے۔ نیچے جہنم کی آگ ہوگی خدا کی پناہ۔ جو کسی طرح قابل برداشت نہیں، ایسی آگ نیچے ہے اور پل ہے اور انھیں وہاں کھڑا کر دیا جائے گا اور جنھوں نے اعمال صالحہ کئے دنیا میں ایمان کے ساتھ، دنیا کی تھوڑی سی مشقت برداشت کی، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سب پر غالب رکھا وہ لوگ بڑی راحت میں ہونگے وہاں راحت کے ساتھ میں پل صراط پر گزر جائیں گے۔ میدانِ محشر میں تکلیف نہیں ہوگی۔ وزن اعمال میں بھی سہولت رہے گی۔ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ، فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا تو لے کر وہ اللہ کی طرف سے ایسی عیش میں ہوگا، ایسی عمدہ زندگی میں ہوگا جو اللہ کو پسندیدہ ہوگی وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ، فَأُمُّهُ هَادِيَةٌ۔ اور جس شخص کا پلڑا بھاری نہیں ہوگا نیکیوں کا، ہلکا ہوگا۔ بس اس کا ٹھکانہ ہوگا هَادِيَةٌ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَّةٌ جَانَتْ بِهِيَ ہو کیا ہے۔ نَارٌ حَامِيَةٌ۔ گرم آگ ہے۔ آگ تو ہوتی ہی ہے گرم مگر اس آگ کو اور گرم کیا گیا ہے۔ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ کو کتنی مرتبہ ٹھنڈا کیا گیا ہے۔ ٹھنڈا کر کے اس کو اس دنیا میں لایا گیا ہے۔ یہ جو آگ ہے دوزخ کی آگ اس سے سو درجہ آگے ہوگی۔ اس کی اسٹیم بہت تیز ہے۔ بہت سخت ہے۔ وہ ہے اعلیٰ کا ٹھکانہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ۔ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں بندہ اور اس کے دل کے درمیان۔ بندہ نے ایک ارادہ کیا بس فوراً اس ارادہ کو پورا کر لینا چاہیے۔ ارادہ پورا نہیں کیا تو

کچھ رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بسا اوقات دل سے خیال ہی نکل جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ایک صاحب تھے۔ ان کو حج کا موقع ملا، اسباب مہیا، لیکن نہیں گئے۔ ٹل گیا۔ ساری زندگی گزر گئی انھوں نے حج کیا ہی نہیں۔ حالانکہ مالدار تھے، وسعت والے تھے، صحت بھی اچھی تھی، سب کچھ تھا۔ باقی حج کیا ہی نہیں۔ دل سے نکل ہی گیا۔ اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دل کے اندر اپنی مہربانی سے یہ داعیہ پیدا کیا تھا حج کرنے کا، اس کی قدر نہیں کی تو داعیہ ہی نکل گیا۔ بات گئی۔

لطیفہ رغیبی مہمانیست نازک مزاج بادی بے التفاتی رومی گرداند

غیبی لطیفہ ایک بڑا نازک مزاج مہمان ہے۔ نازک مزاج مہمان جبائے اور میزبان اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ وہ آکر کہتا ہے السلام علیکم۔ میزبان جواب نہ دے گا۔ میزبان اندر چلا گیا تو کیا ہو گا؟ کیسا یہ مہمان ٹھہرے گا۔ نہیں ٹھہرے گا۔ واپس چلا جائے گا۔ ایسے شخص کے یہاں کیا جائے جو سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ متوجہ نہیں ہوتا وہ چل دیتا ہے چھوڑ کر۔ یہی حال ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا داعیہ، کسی کام کا ارادہ قلب میں پیدا ہوا اور وہ کام نیک اور صالح ہو تو اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اسی لئے کہتے ہیں۔

درکار خیر حاجت یسبح استخارہ نیست

جو کار خیر ہو اس میں استخارہ کی حاجت نہیں۔ اللہ نے طبیعت کے اندر داعیہ پیدا کیا کہ اس سال حج کرنا چاہیے۔ اسباب بھی خدا کی طرف سے مہیا ہیں، کوئی پریشانی نہیں۔ اب ٹلانا کہ آئندہ سال دیکھیں گے، آئندہ سال جائیں گے، بیوی کو بھی ساتھ لیکر جائیں گے، بچوں کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے، یہ خیال کر کے نہیں گئے۔ آئندہ سال رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، بسا اوقات پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور ویسے یہ مسئلہ الگ رہا کہ اگر ایک شخص کے ذمہ حج فرض ہے اور اسکے پاس

اسباب مہیا ہیں وہ بغیر شرعی عذر کے نہیں گیا، اس نے سوچا کہ اگلے سال دوسرے سال تیسرے سال پھر کریں گے۔ بڑھاپا آئے گا تب کر لیں گے۔ آخر عمر میں کر لیں گے ایسے شخص کو فقہار نے لکھا ہے وہ فاسق ہو جاتا ہے اور اس کا حج مقبول نہیں ہے حج مبرور نہیں نصیب ہوتا اس کو۔ اللہ نے تو اتنا انعام فرمایا۔ مال دولت دیا، فراغت دی، فرصت دی، دل کے اندر داعیہ پیدا کیا صحت دی، اسباب سارے مہیا کر دیے اور پھر بھی ٹلا رہا ہے کہ اگلے سال کریں گے۔ خداوند تعالیٰ کی نعمت کی بڑی ناشکری اور ناقدری ہے۔ اس لئے ذَاعِلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں بندہ اور اس کے دل کے درمیان۔ وَآتَتْهُ الْيَدِ تَحْشُرُحْنَ۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جانا اُسی کے پاس ہے سب کو۔ اس دنیا میں چاہے کتنی باتیں بنائے آدمی حیلہ بہانہ کرے کسی سے چاہے ٹلا دے کچھ کرے لیکن آخر کار جانا اللہ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں نے اس بندہ کو قوت دی ہے، صحت دی ہے، دولت دی ہے، فرصت دی ہے، ہمت دی ہے، موقعہ دیا ہے، پھر بھی اس نے حج نہیں کیا۔ کیوں نہیں کیا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کی ناقدری نہیں ہے، یقیناً ناقدری ہے، صحت کی بھی ناقدری، کیونکہ بیمار آدمی پر حج نہیں ہے۔ جو چل پھر نہیں سکتا، حج میں جا نہیں سکتا اس کو کہہ دیا کہ بھئی تم معذور ہو لیکن اس کو صحت دے رکھی ہے، کیا عذر ہے۔ غریب آدمی پر حج نہیں ہے، جس کے پاس کرایہ کے لئے پیسہ نہیں، لیکن اس کو اللہ نے کرایہ کے لئے پیسہ دے رکھے ہیں کیوں نہیں جاتا۔ ضعیف آدمی جو سفر نہیں کر سکتا اس پر حج نہیں ہے۔ لیکن جس کو قوت ہو طاقت ہو، کیا عذر ہے اس کے پاس۔ کہیں تجارت کا سفر ہو، کہیں کسی کی شادی میں جانا ہو، کوئی اور دنیاوی کام ہو وہاں نہیں کہتے کہ آئندہ سال کریں گے، تیسرے سال کریں گے۔

وہاں فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی کی ضرورت ہے۔ اور قدر دانی یہی ہے کہ ہر نعمت کا حق ادا کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، بڑی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ رات رات بھر نماز پڑھتے تھے۔ نوجوان تھے ان کی شادی کر دی ان کے والد نے۔ ایک روز ان کی بہن سے ان کے والد نے پوچھا بتاؤ بیٹی تمہارے شوہر کا کیسا معاملہ ہے تمہارے ساتھ۔ تم نے کیسا پایا۔ انھوں نے تعریف کی کہ ہمارے شوہر بہت اچھے ہیں۔ ساری رات نفلیں پڑھتے ہیں۔ بستر پر نہیں آتے اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے جاکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات رکھ دی حضور میں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے پوچھا اپنے بیٹے کے بارے میں تو اس نے یہ تعریف کی۔ وہاں معلوم ہوا کہ یہ تو تعریف نہیں یہ تو شکایت کر رہی ہے کہ مجھ سے شادی کی مجھے بیاہ کر لے آئے ہیں، ساری رات بستر پر نہیں آتے، نفلیں پڑھتے ہیں دن بھر روزہ رکھتے ہیں، میرا حق کہاں ادا کرتے ہیں۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا تم ایسا کرتے ہو۔ دیکھو میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں۔ مگر میں سوتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا۔ لہذا تم ایسا مت کرو، تم ایک مہینہ میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ پس تو انھوں نے کیا جواب دیا۔ انھوں نے جواب دیا حضور میں جوان ہوں میرے اندر طاقت موجود ہے۔ اس طاقت سے مجھے کام لے لینے دیجئے جو جوانی کو کارآمد بنانے دیجئے۔ مجھے روزے رکھ لینے دیجئے۔ تین روزے تو بہت تھوڑے سے ہیں۔ یعنی اپنی طاقت اور جوانی کا مصرف کیا تجویز کیا۔ زیادہ سے زیادہ صبر کرنا، کھانا ہوتے ہوئے بھی نہ کھانا، بیوی ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس نہ جانا، اللہ کی عبادت کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ایسا کرو، ہر ہفتہ میں دو روزے رکھ لیا کرو۔

انھوں نے کہا حضور میرے اندر اس سے زیادہ طاقت ہے میں اس سے زیادہ رکھ
 سکتا ہوں۔ بڑھتے بڑھتے آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ایک
 دن روزہ رکھو، ایک دن افطار کرلو۔ وہ حضرات اپنی جوانی اور طاقت کا مرکز
 یہ تجویز کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ طاقت ہے تو زیادہ سے زیادہ کھانا کھائیں، زیادہ
 سے زیادہ پروٹہ کر سوجائیں، آرام کریں، زیادہ سے زیادہ بیوی کے پاس جائیں۔
 انھوں نے طاقت کا مصرف اللہ کی عبادت کرنا تجویز کیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے جس چیز کے لئے جو حد متعین فرمادی اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ بس
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوی کا بھی حق ہے، اس کا بھی حق ادا کرنا چاہیے۔
 انھوں نے یہ سوچا شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند عبادت ہی ہے اصلاح فرمادی
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بیوی کے پاس بھی جانا چاہیے، روزہ بھی رکھنا
 چاہیے، نماز بھی پڑھنا چاہیے، سونا بھی چاہیے، افطار بھی کرنا چاہیے۔
 اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو توفیق دے رکھی ہے اُن تمام قوتوں کے متعلق
 سوال ہوگا کہ ہماری دی ہوئی قوتوں کو کہاں خرچ کیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ
 میدانِ محشر میں آدمی کو کھڑا کیا جائے گا اور اس کے قدم کو وہاں سے ہٹنے نہیں
 دیا جائے گا۔ اس سے سوال کیا جائے گا کہ جوانی کس چیز میں خرچ کی۔ بتاؤ اللہ
 کے احکام کی اطاعت میں خرچ کی یا کاسبے میں خرچ کی؟ سوال کیا جائے گا مال
 کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا، زندگی بھر میں جتنا کچھ مال کمایا سوچ لے کہ مال کہاں
 سے کمایا ہے جائز کمایا ہے یا ناجائز کمایا ہے کہاں خرچ کیا، اللہ سے پوچھ کر
 خرچ کیا یا بغیر پوچھ خرچ کیا۔ کیا حال ہوگا؟ اس لئے فرماتے ہیں **وَاَعْلَمُوا**
اَنَّهُ اِلَيْهِ تُحْشَرُونَ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور جانا اسی کے پاس ہے سب کو،
 ہر چیز کا حساب ہوگا۔ **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الْدِّينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً**

اور اس فتنہ سے اس مصیبت سے ڈرو جو صرف ظلم کرنے والوں کو تم میں سے نہیں پہونچے گی بلکہ سب کو پہونچے گی جو کرنے والے ہیں ان کو بھی اور جو نہ کرنے والے ہیں ان کو بھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کی نافرمانی عام ہو جائے گی، کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس پر جب شراب عام ہو جائے، جب گانا بجانا عام ہو جائے تو اس وقت اللہ کا عذاب ایسا آئے گا جو سب کو پکڑ لے گا۔ کرنے والے بھی پکڑے جائیں گے نہ کرنے والے بھی پکڑے جائیں گے۔ جو شراب پیتے ہیں وہ بھی پکڑے جائیں گے، جو نہیں پیتے وہ بھی پکڑے جائیں گے۔ آپ کہیں گے صاحب جو پیتے ہیں وہ تو اپنے جرم میں پکڑے جائیں گے۔ لیکن جو نہیں پیتے وہ کیوں پکڑے جائیں گے۔ ایک آبادی ہے چھپروں کی، پھوس کے چھپر ہیں، مکانات ہیں۔ ایک شخص نے بیوقوفی کی اپنے چھپر آگ لگا دی۔ بستی والوں کی کیا ذمہ داری ہے؟ سب کے سب مل کر اس آگ کو بجھا دیں۔ اس کو آگ نہ لگانے دیں۔ آگ کو بجھا دیں۔ اس پر پانی ڈال دیں۔ چھپر کو نیچے ڈال دیں۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمیں کیا اس نے اپنے گھر میں آگ لگا دی وہ جانے، ہمارا گھر تو صحیح سلامت ہے۔ لیکن آپ کا گھر کتنی دیر صحیح سلامت رہے گا۔ اس آگ کے شعلے بلند ہوں گے۔ اس پاس کے گھروں میں بھی لگے گی حتیٰ کہ ساری بستی جل جائے گی۔ یہی حال ہے دین کے اندر جو شخص نقصان کرتا ہے، بغاوت کرتا ہے دین کے ساتھ، احکام شرع کی پابندی نہیں کرتا۔ اس کی اصلاح کرنا، اس پر روک ٹوک کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھر میں آگ لگا دے۔ بستی والوں کے ذمہ ہے کہ اس آگ کو بجھا دیں۔ نہیں بجھائیں گے تو ساری بستی تباہ ہو جائے گی۔ جو شخص نافرمانی کرتا ہے، شراب پیتا ہے، لعنت کے کام میں گرفتار ہے۔ اس پاس پر دوس والوں کو بھی ضروری ہے کہ روکیں اس کو شراب سے۔ اگر نہیں روکیں گے تو خداوند تعالیٰ اس لعنت والے کام پر جو غضب نازل ہوگا اس میں اور لوگ بھی مبتلا ہونگے۔

جب دیکھ رہے ہیں یہ خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے تو کیوں نہیں روک ٹوک کرتے۔ اس کا روکنا ضروری ہے۔ لیکن روکنے کے بھی کچھ حدود اور طرق ہیں۔ یہ نہیں کہ فساد برپا کر دیا۔ شور و غل مچا ہو جائے، لڑائی ہو جائے، فساد ہو جائے، ایسا نہیں۔ اس کا طریقہ ہے۔ اس طریقہ کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔ جو شخص بغاوت کرتا ہے۔ ایک شخص ڈاکو ہے۔ سبستی والوں کو معلوم ہے کہ یہ ڈاکو ہے اور جگہ جگہ پر اس نے ڈاکہ ڈالا ہے، قتل بھی کیا ہے، گورنمنٹ کی طرف سے اس کا وارنٹ بھی جاری ہے گرفتار کرنے کے لئے۔ وہ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ آپ بتائیے کوئی شخص اس کو اپنے محلہ میں اپنے گھر میں پناہ دے گا۔ تو وہ مجرم کہلائے گا یا نہیں؟ وہ بھی مجرم ہے۔ سرکاری ڈاکو کو اپنے گھر میں پناہ دے رہا ہے۔ سرکاری آدمی، سپاہی ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اس کو۔ اور تم نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے وہ بھی گرفتار ہوگا مجرم ہوگا، اس پر بھی عتاب ہوگا۔ یہی حال ہے کہ جو شخص خداوند تعالیٰ کے حکموں سے بغاوت کرتا ہے، اس باغی کو بغاوت سے روکنا، اس کو سمجھانا جس طریقہ پر بھی شریعت نے بتایا ہے، یہ لازم ہے، اس کی طرف سے بے فکر ہو جانا کہ صاحب ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے، ہر شخص اپنے دین کا مختار ہے یہ غلط ہے، یہ جواب کافی نہیں۔ بلکہ ضرورت ہے اس کے روکنے کی۔ بعضے لوگ جواب دیتے ہیں صاحب اس کو اپنی قبر میں سونا ہے، ہم کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ ہاں یہ تو صحیح ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں اگر کہیں پڑوس میں آگ لگ جائے اس آگ کو بجھانے کے لئے اٹھتے ہیں یا نہیں اٹھتے۔ کیوں اٹھتے ہیں۔ بھئی اس کا گھر تو جل رہا ہے اس کو اپنی قبر میں سونا ہے تم کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ تو کیا ضرورت ہے جانے کی آگ بجھانے کے لئے۔ کیوں جا رہے ہو آگ بجھانے کے لئے، وہاں نہیں سوچتے۔ جانتے ہیں اس کی آگ اس کے گھر تک نہیں رہے گی ہمارے گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

اسی طریقہ پر جو شخص نافرمانی کرتا ہے اور آپ کو قدرت ہے اس کو روکنے پر آپ اس کو سمجھا سکتے ہیں، روک سکتے ہیں، لیکن نہیں استعمال کرتے، نہیں اختیار کرتے اپنی قدرت کو تو پھر اس پر پکڑ ہوگی۔ ایک شخص ہے اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی۔ کچھ نہیں کہتا بیوی کو آپ کی بیوی نماز نہیں پڑھ رہی ہے وہ جواب دیتا ہے اس کو اپنی قبر میں سونا ہے، میں اپنی قبر میں سونا ہے۔ لیکن بیوی اگر کھانا وقت پر بنانے میں تاخیر کرتی ہے تو ناراض ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ اپنے کھانا بنانے میں تو ناراض ہوتے ہیں مگر خدا کا حکم توڑ رہی ہے اس پر ناراض نہیں ہوتے۔ یہ کیا بات ہے۔ کھانا طبیعت کے موافق نہیں پکایا وقت میں تاخیر کر دی پندرہ منٹ، بیس منٹ کی تاخیر ہو گئی اور جانا ہے سفر میں جلدی چاہ رہے ہیں کہ کھانا جلدی سے تیار ہو جائے۔ بیوی کہتی ہے کہ پندرہ منٹ کی تاخیر ہے غصہ آتا ہے جہاز نکل جائے گا، گاڑی نہیں ملنے کی ادیر ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ نماز میں دیر کرتی ہے، نماز قضا کرتی ہے تو اس کے اوپر کوئی اعتراض نہیں۔ کھانے میں ذرا سی دیر ہو گئی، نمک کم ہو گیا اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن وہ نماز نہیں پڑھتی اس پر اعتراض نہیں۔ کیا خداوند تعالیٰ کے یہاں سوال نہیں ہوگا۔ دو تولہ کھانے میں کمی ہو گئی تھی اس پر اتنا ناراض ہوئے، بیوی کو برا بھلا کہا۔ اور ہمارا حکم آپ کے سامنے لٹوٹا رہا، وہ نماز نہیں پڑھتی تھی اس پر آپ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ تو دو تولہ کھانے کی قدر و قیمت آپ کے نزدیک زیادہ ہے ہماری نماز سے، یقیناً اس کا سوال ہوگا۔ سوچتے نہیں، غور کرنے کی بات ہے۔ یہی حال عورتوں کا ہے۔ شوہر اگر عورت کی ایک خواہش پوری نہ کرے تو ناراض ہوتی ہے خفا ہوتی ہے سخت سست کہتی ہے۔ لیکن شوہر اگر نماز نہیں پڑھتا، خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا

ہے تو بیوی کچھ نہیں کہتی۔ وہاں بھی سوال ہوگا کہ جب تمہاری فرمائش پوری نہیں کی شوہر نے اتنی ناراض ہوئی، غصہ میں اتنے الفاظ کہے۔ ہمارے پاس سب کے سب لکھے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے حکم کو توڑ رہا تھا اس پر تمہاری زبان بند تھی۔ تم سے یہ بھی نہیں کیا گیا کہ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہہ دو کہ آپ نماز پڑھ لیجئے یہ بھی نہیں کہا گیا۔ اس لئے اپنی زندگیوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو کام بھی اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، حکم دیدیا ہے ان سب میں ہمارے لئے حیات ہے۔ ہماری زندگی اسی سے بنتی ہے۔ دوسری چیزوں سے ہماری زندگی نہیں بنتی۔ **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**۔ اگر ایک شخص باغی ہے حکومت کا، لڑائی ہوگئی، اس کے بعد کرفیو آرڈر جاری ہو گیا۔ کرفیو آرڈر میں کیا ہوتا ہے جو گھر سے باہر نکلے اس کو گولی مار دی جائے۔ حالانکہ ایک آدمی قانون کا پورا احترام کرتا ہے۔ کسی بدکاری میں وہ شریک نہیں، اس کا کیریٹر بالکل اچھا ہے سبھی جانتے ہیں، لیکن پہرہ دار ہیں وہ تو گولی مار ہی دیں گے اس کو۔ ایک آدمی اپنے گھر سے باہر نماز کے لئے جا رہا ہے، فتنہ و فساد کے لئے نہیں جا رہا ہے لیکن کرفیو کی حالت میں جا رہا ہے اس کو تو گولی لگ ہی جائے گی۔ کیونکہ جو کرنے والا ہے وہ بھی پکڑا جاتا ہے، جو نہ کرنے والا ہے وہ بھی پکڑا جاتا ہے۔ اور درحقیقت نہ کرنے والا کیسے قرار دیا جائے جبکہ اس کو روکنے کی قدرت ہے، اس کو سمجھانے کی قدرت ہے، نافرمان ہے اس کو بچانے کی قدرت ہے۔ کیوں اس قدرت کو استعمال نہیں کرتا، یہ تو اس میں شریک ہے نہ کرنے میں نہیں۔ نہ کرنی والا نہیں ہے یہ تو کرنی والا ہے کرنے والوں کے ساتھ شریک ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ **وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ اس واسطے

میرے محترم دوستو اور بزرگو! ماہ مبارک آ رہا ہے اس کی قدردانی کی ضرورت ہے، اپنی زندگی پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم لوگوں کے واسطے راہ ہدایت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ اور دوسرا راستہ ہمارے لئے راہ ہدایت نہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، جہاں تک ہو سکے خود بھی اس پر عمل کریں اور اپنے جانے والوں میں اپنے اعزہ و اقربا میں زیادہ سے زیادہ اس کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ، اللَّهُمَّ وَقِنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالْفِعْلِ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ رَبَّنَا لَا تَوَاضِعْ لَنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ
لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفُ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ. صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمدؐ الیہ

وصحبہ وسلم اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔
نہت بالخیر بحاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
تسلیمًا کثیرًا کثیرًا